بیادگار حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ

خواتین کا ترجمان

ماہنامہ

# رضوان

لکھنؤ

جلد نمبر ۶۱

شمارہ نمبر ۱

جنوری ۲۰۱۷ء

سالانہ زرتعاون

| | | |
|---|---|---|
| برائے ہندوستان | : | ۲۰۰/روپے |
| غیر ملکی ہوائی ڈاک | : | ۳۵/امریکی ڈالر |
| فی شمارہ | : | ۲۰/روپے |
| لائف ٹائم خریداری | : | ۸۰۰۰/روپے |

نوٹ

خط وکتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر اور مکمل صاف پتہ ضرور لکھیں، اگر مدت خریداری کے ختم ہونے کے وقت کی پرچی پتہ کی چٹ پر لگی ہو تو براہ کرم مدت خریداری ختم ہوتے ہی رقم ارسال فرمائیں۔ (منیجر)

ایڈیٹر

محمد حمزہ حسنی

مجلس ادارت

میمونہ حسنی — عائشہ حسنی

جعفر مسعود حسنی — محمود حسن حسنی

ڈرافٹ پر RIZWAN MONTHLY لکھیں

زر تعاون اور خط وکتابت کا پتہ

ماہنامہ رضوان

۱۷۲/۵۴، محمد علی لین گوئن روڈ لکھنؤ

پن کوڈ: ۲۲۶۰۱۸ - موبائل: ۹۴۱۵۹۱۱۵۱۱

Rizwan (Monthly)

172/54, Mohammad Ali Lane

Gwynne Road Lucknow

Pin:226018- Mobile: 9415911511

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر محمد حمزہ حسنی نے مولانا محمد ثانی حسنی فاؤنڈیشن کے لیے کاکوری آفسیٹ پریس میں چھپوا کر دفتر رضوان محمد علی لین سے شائع کیا

کمپوزنگ: ناشر کمپیوٹر، لکھنؤ۔ فون: 9792913331

E-Mail : azizpaitepuri@gmail.com

# فہرست مضامین


- اپنی بہنوں سے ..... ۵
- حدیث کی روشنی میں ..... امۃ اللہ تسنیم ..... ۶
- حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اُسوہ ..... مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ..... ۸
- فقہ اسلامی-امتیازات وخصوصیات ..... مفتی محمد عبداللہ قاسمی ..... ۹
- حضرت جبرئیل علیہ اسلام ..... غلام حقانی-ٹولی چوکی ..... ۱۲
- پانی عظیم نعمت کی ناقدری ..... مفتی شعیب احمد بستوی ..... ۱۶
- امانت اور خیانت ..... مفتی عظیم عالم قاسمی ..... ۱۸
- انسانی غلامی کا ماضی اور حال ..... ڈاکٹر ساجد خاکوانی ..... ۲۴
- مسواک-حقیقت، فضیلت ..... مولانا فضل الرحیم ..... ۲۸
- خطبہ حجۃ الوداع پر ایک نظر ..... شیخ صفات عالم مدنی ..... ۳۱
- سوال وجواب ..... مفتی راشد حسین ندوی ..... ۳۵
- میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟ ..... ادارہ ..... ۳۶
- آخری صفحہ ..... مولانا قمر الزماں ندوی ..... ۴۲

# اپنی بہنوں سے

اس وقت ہمارے ملک کے جو حالات چل رہے ہیں وہ خاص کر مسلمانوں کے لیے بہت فکرمندی کے حالات ہیں۔ نت نئے مسائل پیدا کیے جارہے ہیں۔ چاہے تعلیمی میدان ہو یا سیاسی میدان ہو یا خالص مذہبی معاملات ہوں۔

ساری دنیا میں اس وقت مسلمان بحیثیت قوم دشمنوں کے نشانہ پر ہیں۔ اسی کے اثرات ہمارے ملک پر بھی پڑرہے ہیں مخالفین اسلام اسی سے فائدہ اٹھاکر اسلام اور مسلمانوں پر حملے کررہے ہیں اور کوشش کررہے ہیں کہ مسلمانوں کو ہر طرف سے دبائو میں لے کر ان کو مغلوب کرلیں اور ان کو ذہنی اور عملی طور پر شکست خوردہ قوم کی حیثیت میں کردیں۔

اس لیے اس صورت حال کا جائزہ لے کر ہم لوگوں کو مضبوطی سے اپنے دین اپنی تہذیب اور اپنی تعلیمی خصوصیات کی حفاظت کے لیے اقدام کرنا چاہئے اور اس بات کا یقین اپنے اندر پیدا کرنا چاہیے کہ اگر اپنے اسلامی صفات سے اپنے کو آراستہ کرلیا تو دنیا کی کوئی طاقت ہم کو مغلوب نہیں کرسکتی۔ اور فتح ہمارا مقدر ہوگی۔

اگر ہم نے اسلام کا دامن چھوڑا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اختیار نہ کیا تو یقینا تباہی و بربادی ہمارے حصہ میں آئے گی اور کفر و باطل کے طوفان کے سامنے ہم ٹھہر نہ پائیں گے۔

یاد رکھیے کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اس طرح کے باطل کے طوفان تاریخ میں متعدد آئے ہیں کہ لگتا تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کا نام و نشان مٹادیں گے لیکن مسلمانوں کی ثابت قدمی صبر و استقامت کے سامنے وہ چکناچور ہوگئے اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے اسلام اور مسلمان سرخرو ہوئے۔

حدیث کی روشنی میں

# مریض کی عیادت

امۃ اللہ تسنیم

## مریض کے لئے دعا

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے کسی گھر والے کی عیادت فرماتے تو اپنا داہنا ہاتھ پھیرتے اور فرماتے تھے۔ **اَللّٰھُمَّ رَبَّ النَّاسِ اَذْھِبِ الْبَاْسَ وَاشْفِ، اَنْتَ الشَّافِیْ، لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءً لَا یُغَادِرُ سَقَماً۔**

ترجمہ: اے اللہ اے لوگوں کے رب خوف دور کر اور شفا دے تو ہی شفا دینے والا ہے۔ نہیں ہے شفا مگر جو تو شفا عطا فرمائے۔ ایسی شفا کہ مرض کو نہ چھوڑے۔ (بخاری)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ثابتؓ سے کہا میں تم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھونک چھوڑ دوں۔ انہوں نے کہا ہاں **اَللّٰھُمَّ رَبَّ النَّاسِ مُذْھِبَ الْبَاْسَ اِشْفِ، اَنْتَ الشَّافِیْ، لَا شَافِیَ اِلَّا اَنْتَ شِفَاءً لَا یُغَادِرُ سَقَماً۔**

ترجمہ: اے اللہ اے لوگوں کے رب شفا دے تو ہی شفا دینے والا ہے۔ تو ہی تندرستی عطا فرماتا ہے تیرے سوا کوئی تندرست نہیں کرتا ایسی تندرستی عطا فرما کہ بیماری باقی نہ رہے۔ (بخاری)

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لئے تشریف لائے اور فرمایا: **اَللّٰھُمَّ اِشْفِ سَعَداً، اَللّٰھُمَّ اِشْفِ سَعَداً، اَللّٰھُمَّ اِشْفِ سَعَداً۔**

ترجمہ: اللہ سعد کو شفا دے، اے اللہ سعد کو شفا دے، اے اللہ سعد کو شفا دے۔ (مسلم)

حضرت ابی عبداللہ بن ابی العاص سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درد کی شکایت کی جو اُن کے جسم میں تھا، آپ نے فرمایا اپنا ہاتھ درد کی جگہ رکھو اور تین مرتبہ بسم اللہ اور سات مرتبہ **اعوذ بعزۃ اللہ وقدرتہ من شر ما اجد و احاذر۔** پڑھو۔

ترجمہ: اللہ کے نام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عزت وقدرت کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں اس کی برائی سے (یعنی جو درد میں اپنے بدن میں پاتا ہوں اس سے بچنا چاہتا ہوں)۔ (مسلم)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی ایسے مریض کی عیادت کرے جس کو موت ابھی نہ آئی ہو اور اس کے پاس بیٹھ کر سات مرتبہ کہے **اسأل اللہ العظیم رب العرش العظیم ان یشفیك۔**

ترجمہ: میں اللہ تعالیٰ سے جو بڑے عرش کا مالک ہے، سوال کرتا ہوں کہ وہ تم کو شفا عطا فرمائے۔

تو اللہ تعالیٰ اس کو مرض سے عافیت بخشے گا۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)

## مریض سے کیا کہا جائے

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک اعرابی کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے تو فرماتے، کوئی ڈر نہیں، اگر اللہ نے چاہا تو یہ پاک کرنے والی ہے۔ (یعنی تکلیف گناہوں سے پاک کرنے والی ہے جیسا اگلی حدیثوں سے ثابت ہے)۔ (یعنی گناہوں سے پاک کرنے والی ہے۔ (بخاری)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ جبرئیلؑ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا اے محمد کیا آپ بیمار ہیں،

آپ نے فرمایا ہاں، جبرئیلؑ نے کہا بِسْمِ اللّٰہِ اَرْقِیْکَ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ یُؤْذِیْکَ وَ مِنْ شَرِّ کُلِّ نَفْسٍ اَوْ عَیْنٍ حَاسِدٍ، اَللّٰہُ یَشْفِیْکَ، بِسْمِ اللّٰہِ اَرْقِیْکَ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ پھونکتا ہوں ہر اس چیز سے جو آپ کو ایذا دے اور ہر نفس کی برائی سے اور حاسد کی آنکھ سے، اللہ تعالیٰ آپ کو تندرست فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ میں آپ پر پھونکتا ہوں۔ (مسلم)

## جہنم سے حفاظت کرنے والے کلمات

حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص لا الہ الا اللہ واللہ اکبر کہے (یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ ہی بڑا ہے) تو اللہ جل شانہٗ اس کی تصدیق فرماتا ہے اور فرماتا ہے۔ لا الہ الا انا وانا اکبر (یعنی کوئی معبود نہیں مگر میں اور میں بہت بڑا ہوں) اور جب بندہ لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ کہتا ہے (یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے کوئی اس کا شریک نہیں) تو پروردگارِ عالم فرماتا ہے لا الہ الا انا وحدی لاشریک لی۔ (یعنی میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں اکیلا ہوں میرا کوئی شریک نہیں) اور جب کہتا ہے کہ لا الہ الا اللہ لہ الملک، ولہ الحمد (یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کے لئے بادشاہت ہے اور اسی کی سب تعریف ہے) تو پروردگار فرماتا ہے لا الہ الا انا لی الملک و لی الحمد۔ (یعنی نہیں ہے کوئی معبود مگر میں اور میری ہی بادشاہت ہے اور میرے لئے ہی سب تعریف ہے) اور جب بندہ کہتا ہے۔ لا الہ الا اللہ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ (یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ قوت ہے اور نہ طاقت ہے مگر اللہ کو) تو اللہ تعالیٰ جواب میں ارشاد فرماتا ہے۔ لا الہ الا انا ولاحول ولاقوۃ الا بی (یعنی میرے سوا کوئی معبود نہیں اور میرے سوا کسی میں قوت اور طاقت نہیں) پھر آپ نے ارشاد فرمایا جو ان کلمات کو مرض الموت میں کہے تو اس کو آگ نہ جلائے گی۔ (ترمذی)

## حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض وفات

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ بن ابی طالب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے مرض الموت کے زمانہ میں نکلے۔ لوگوں نے کہا اے ابوالحسن، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج کیسے ہیں؟ کہا اللہ کا شکر ہے بھلے سے بہتر ہیں۔ (بخاری)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت میں مجھ پر ٹیک لگائے ہوئے تھے اور فرمارہے تھے **اللھم اغفرلی وارحمنی والحقنی بالرفیق الاعلی۔** ترجمہ: اے اللہ میری مغفرت فرما۔ مجھ پر رحم فرما اور بلند رفیق سے مجھ کو ملا۔ (بخاری۔ مسلم)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نزع کے وقت ایک پانی کا پیالہ رکھا تھا، میں دیکھ رہی تھی کہ آپ برابر اس میں ہاتھ ڈالتے تھے اور اپنے چہرے پر پھیر لیتے تھے اور فرماتے تھے اللھم اعنی علی غمرات الموت وسکرات الموت۔ (ترجمہ: اے اللہ موت کی سختی، اور بے ہوشی میں میری مدد فرما۔) (ترمذی)

## جس کا وقت قریب ہو اس کے عزیزوں کو اس کی خاطرداری کی تلقین

حضرت عمرانؓ بن الحصین سے روایت ہے کہ جہینہ قبیلہ کی ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا مجھ سے ایسی حرکت سرزد ہوگئی ہے کہ میں سزا کی مستحق ہوگئی، بس آپ مجھ پر حد قائم کیجئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ولی کو بلا کر فرمایا اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور جب بچہ پیدا ہوجائے تو پھر میرے پاس لانا، انہوں نے ایسا ہی کیا، اس کے بعد جب وہ عورت آئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس کو اسی کے کپڑوں سے باندھ دیا گیا، پھر اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا اور وہ سنگسار کی گئی، پھر آپ نے اس کے جنازہ پر نماز پڑھی۔ (مسلم)

□□□

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

# حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اُسوہ

اسلام کے اصل معنیٰ افگندگی اور تسلیم و رضا کے ہیں، انسان اپنے آپ کو خالق کے حکم کے سامنے بچھادے، اپنی خواہشات کو خدا کی رضا جوئی کی چوکھٹ پر قربان کردے اور یہ عقیدہ ایمان سے لے کر جان و مال اور اس سے بڑھ کر اولاد و عیال تک ہوجائے تو یہ بندگی کا کمال اور عبدیت کی معراج ہے، عبدیت و بندگی کا یہ درجہ و مقام انسان کے جس گروہ کو سب سے بڑھ کر حاصل ہے، وہ حضراتِ انبیاء کرام ہیں جو اللہ کے سب سے محبوب بندے اور انسان کے لئے اسوۂ کامل ہیں، ان کا ایک ایک عمل زمین پر اللہ کی مرضیات کی زندہ شہادت ہے، یہ انبیاء زمین پر ہدایت کی روشنی اور مشعل راہ کا درجہ رکھتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت انبیاء کرام علیہم السلام میں بھی کسی قدر مرتبہ و مقام کا فرق رکھا ہے، نبوت کے سلسلۃ الذہب میں ایک نہایت عظیم اور برگزیدہ شخصیت ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہے، اللہ کی رضا و خوشنودی کے لئے قربانی کی کوئی قسم نہیں جو ان سے چھوٹی ہو اور امتحان و آزمائش کی کوئی بھٹی نہیں جس میں ان کی تپایا نہ گیا ہو، انہوں نے اپنے خالق کے ساتھ وفاشعاری، عبدیت و بندگی، خدا کی محبت میں خلائق دنیا سے بے نیازی، خودسپردگی، شرک سے نفرت، دعوت حق اور بیت الٰہی کی تعمیر و تجدید کے ایسے زندہ و تابندہ نقوش خدا کی زمین پر چھوڑے کہ خود خدا کو بھی اپنے اس وفاشعار بندے کی ادائیں محبوب و مرغوب ہوگئیں اور اُمت محمدیہ کے لئے سنن ابراہیم کو تازہ رکھنے کا سامان کیا گیا، حج دراصل اللہ کے اسی نیک بندے کی یادگار اور خدا کیسامنے تسلیم و رضا کا شعار ہے، کعبہ جس کی بنیادیں تک مٹ چکی تھیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی تجدید فرمائی، آج بھی مقام ابراہیم کعبہ کے سامنے موجود ہے، زم زم کا چشمۂ حیوان حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لئے نصرتِ الٰہی کی یاد دلاتا ہے، صفا اور مروہ کی سعی سے ایک بندۂ صالحہ حضرت ہاجرہؓ کی بے چینی اور بے تابی کی یاد تازہ ہوتی ہے، پھر منیٰ کی قربانی اس ذبح عظیم کی یادگار ہے جس میں ایک پیغمبر نے اپنے لخت دل کو اپنے تئیں خدا کی خوشنودی کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھایا تھا، جمرات کی کنکریاں عزم ابراہیم اور وسوسۂ شیطانی سے پنجہ آزمائی کا اظہار ہے۔

یہی اسوۂ ابراہیمی ہے، کہ سب کچھ خدا کی خوشنودی کی چوکھٹ پر قربان ہوجائے، اپنی اور اپنوں کی خواہش، دوستوں اور قرابت داروں کی خوشی، انسانی زندگی میں قدم قدم پر ایسے مواقع آتے ہیں، کہ اللہ کا حکم اور ہوتا ہے، انسان کی خواہش کچھ اور، نفس چاہتا ہے کہ یہ حلال ہو مگر شریعت اسے حرام قرار دیتی ہے، یہی وقت ہے انسان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کردار کو یاد کرے، شادی بیاہ کے موقع دیکھئے، نوشہ کی طرف سے خطیر رقم کا مطالبہ ہے، نوشہ کے والد کی خواہش ہے کہ کھانا کا خوب سے خوب تر اور اچھا سے اچھا انتظام رہے، نوشہ کی والدہ کی طرف سے زیورات کی طلب ہے، بھائی بہنوں کا شوق ہے، کہ اچھی قسم کی گاڑی ضرور ملے، دوست احباب کہتے ہیں، کہ اگر اس موقع سے بھی رقص و سرور نہ ہو تو تقریب میں کیا لطف آئے گا؟ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی ان سب کے خلاف ہے، شریعت اس لین دین کو رشوت قرار دیتی ہے، گانے بجانے کو منع کرتی ہے اور کہتی ہے کہ یہ موقع خدا کا شکر بجالانے کا ہے، اس کے سامنے سر جھکانے کا ہے، خدا کے سامنے ہاتھ پھیلانے اور مانگنے کا ہے، یہی وقت ہے کہ انسان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کردار کو یاد کرے کہ کیا وہ اپنے جذبات خدا کی مرضی پر قربان کرنے اور اپنے متعلقین کی خواہش کو خدا کے رسولؐ کی خواہش کے سامنے بھینٹ چڑھانے کو تیار ہے؟

(بقیہ.....صفحہ.....۴۱.....پر)

مفتی محمد عبداللہ قاسمی

# فقہ اسلامی - امتیازات وخصوصیات

فقہ اسلامی ایک جامع نظام حیات ہے، ایک معتدل، متوازن اور عقل انسانی سے ہم آہنگ قانون ہے، ایک جامع اور ہمہ گیر ضابطہ زندگی ہے، یہ وہ زندہ جاوید دستور ہے جو ہر شعبہ حیات میں انسان کی راہ نمائی کرتا ہے، مصائب و پریشانیوں کے لیے نسخہ اکسیر کی حیثیت رکھتا ہے، آقا و غلام، حاکم ومحکوم، امیر وغریب ہر ایک کے ساتھ مساویانہ سلوک پر یقین رکھتا ہے، رنگ ونسل اور جنس کی بنیاد پر امتیاز وتفریق سے بیر رکھتا ہے، یہ وہ شجر طوبی ہے جس نے اپنے راحت بخش سایوں اور روح پرور پھلوں سے پورے عالم کو مستفید کیا ہے اور تہذیب وتمدن کی تعمیر وترقی میں قابل لحاظ کردار ادا کیا ہے، یہ وہ دستور العمل ہے جو چودہ سو سال سے لے کر آج تک اپنی ساری خصوصیات وامتیازات کے ساتھ برقرار ہے اور انشاء اللہ تا قیامت برقرار رہے گا۔

اس وقت جب کہ سائنس وٹیکنالوجی کی حیرت انگیز ترقی اور وسائل زندگی میں غیر معمولی تغیر آجانے کی وجہ سے انسانوں کے وضع کردہ اصول وقوانین فرسودہ ہو چکے ہیں اور محض کتابوں کی زینت بن کر رہ گئے ہیں، لیکن فقہ اسلامی آج بھی اپنی وسعت و ہمہ گیری اور گوناگوں خصوصیات وامتیازات کی وجہ سے زندہ وتابندہ ہے اور دنیا کے ہر خطہ اور ہر قوم کے لیے قابل عمل ہے، ظاہر ہے کہ فقہ اسلامی کو بے شمار خصوصیات وامتیاز نے دوام اور استحکام بخشا ہے، ذیل میں ان ہی خصوصیات کا اجمالاً تذکرہ کرنا مقصود ہے۔

## عدل وانصاف

فقہ اسلامی کی بہت سی خصوصیات و امتیازات ہیں جو انسانوں کے خود ساختہ قوانین سے اس کو ممتاز کرتی ہیں، فقہ اسلامی کا اولین امتیاز عدل و انصاف ہے، فقہ اسلامی نوع انسانی کے ہر طبقہ، ہر جنس اور ہر فرد کے ساتھ عدل وانصاف پر زور دیتی ہے، امیر وغریب اور حاکم ومحکوم ہر دو کے ساتھ مساویانہ سلوک پر یقین رکھتی ہے، اس کے برخلاف دنیا میں انسانوں کے وضع کردہ جو اصول وقوانین ہیں ان کی بنیاد ہی ایک گروہ کے تفوق وبرتری اور دوسرے گروہ کی تذلیل اور اس کی حق تلفی پر ہے، امریکہ اور یورپ جو اپنے آپ کو مساوات کا علم بردار کہتے ہیں

وہاں نسلی امتیاز پر مبنی قوانین موجود ہیں، ا
شہریت کے مختلف درجات ہیں اور ا
نسبت سے ان کو رعایتیں اور سہولتیں فرا
کی جاتی ہیں، یورپ کی بعض ریاستوں
گوری اور کالی نسل کے مابین شادی نہ
ہوسکتی، اگر کرلی جائے تو شادی قانونی
سے غیر معتبر ہوتی ہے اور پانچ سو ڈالر
مہینے کی قید یا دونوں سزائیں اس کا ارتکا
کرنے والوں کو دی جاتی ہیں۔

## جامعیت وہمہ گیری

فقہ اسلامی کا ایک امتیازی و
جامعیت اور ہمگیریت ہے، چنانچہ اس
ایک طرف عقائد وعبادات کے بارے
ہدایات ہیں تو دوسری طرف معاملات
خاندانی تعلقات کے اصول وقوانین
ہیں، اس میں بین الاقوامی روابط کے
راہنمائی بھی ہے اور سیاسی ومعاشی نظ
صورت گری بھی، دنیا کے وضعی قوانین
اتنی جامعیت وہمہ گیریت نہیں ہے، ع
اخلاق اور عبادات کے لیے ان قوانین
کوئی جگہ نہیں ہے، عابد ومعبود کے د
ارتباط وتعلق اور انسان پر خالق کائنا
حقوق وفرائض کے بارے میں
قانون میں کوئی راہنمائی نہیں ہے، ج
فقہ اسلامی ایک جامع ومکمل قانون
انسان کے تمام شعبہ ہائے حیات کو
اور قدم قدم پہ یہ انسان کی راہ نمائی ک
اور اس کے لیے چراغ راہ کا کام دیتا

## توازن واعتدال

فقہ اسلامی کا ایک امتیازی وصف توازن و اعتدال ہے، چنانچہ فقہ اسلامی مادیت اور روحانیت کا حسین امتزاج ہے، فقہ اسلامی میں جہاں مادی اور جسمانی ضرورتوں کی تکمیل کے تعلق سے ہدایات ہیں وہیں خالق کائنات کے ساتھ عشق و محبت اور اس کے ساتھ دائمی وابستگی پر بھی توجہ دی گئی ہے، اسی طرح مرد و عورت انسانی سماج کے دو بنیادی جز ہیں، اسلام کا آفتاب طلوع ہونے سے پہلے دنیا میں ایسے قوانین تشکیل دیے گئے تھے جس کی رو سے عورت کی حیثیت جانور اور بے جان سی املاک کی ہوکر رہ گئی تھی، نہ وہ کسی چیز کی مالک ہوسکتی تھی اور نہ وہ کوئی آزادانہ تصرف کرسکتی تھی، یہاں تک کہ اہل علم کے درمیان یہ بحث جاری تھی کہ عورت انسان بھی ہے یا نہیں؟ اس کے بالمقابل اہل یورپ نے عورتوں کو تمام ذمہ داریوں میں مرد کے مساوی قرار دے دیا، عورتوں کی جسمانی کمزوری اور ان کی طبیعت و مزاج کو یکسر نظرانداز کردیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہ ظاہر اسے عورت کی حمایت سمجھا گیا، لیکن انجام کار آزادانہ اختلاط مرد و زن نے سماج اور معاشرہ کو بے حیائی و بدکاری اور اخلاقی انارکی کا تحفہ دیا، جس کے جاں بلب درد سے پورا مغربی سماج کراہ رہا ہے اور جس کے تباہ خیز نقصانات نے پورے مغربی معاشرے کو اپنے لپیٹ میں لے لیا ہے، اسلام نے مردوں اور عورتوں کے متعلق نہایت متوازن اور معتدل قانون دیا ہے، انسانی حقوق میں مرد و عورت کو مساوی درجہ دیا گیا ہے، لیکن تقسیم کار میں دونوں کے قویٰ اور صلاحیت کے لحاظ سے فرق کیا گیا ہے، چنانچہ بچوں کی نگہ داشت اور ان کی دینی تربیت کی ذمہ داری عورتوں پر اور کسب معاش کی ذمہ داری مردوں پر رکھی گئی ہے، یہ اسلام کا نہایت زریں اصول ہے، اس سے خاندانی نظام مضبوط اور مستحکم ہوتا ہے، اخلاقی اقدار کی حفاظت ہوتی ہے، اچھے اوصاف پر معاشرہ استوار ہوتا ہے۔

## عقل وحکمت سے مطابقت

فقہ اسلامی کا ایک امتیازی وصف یہ ہے کہ اس کے احکام عقل وحکمت کے عین مطابق ہیں، اس میں انسانی مصالح ومنافع کا پورا لحاظ کیا گیا ہے، حتیٰ کہ علامہ عزالدین بن عبدالسلام فرماتے ہیں کہ پوری شریعت مصلحت سے ہی عبارت ہے اور ہر حکم شرعی کا مقصد یا تو کسی مصلحت کو پانا ہے یا کسی نقصان کا ازالہ ہے۔ (قواعدالاحکام: 1/9) اس کے برخلاف انسانی قوانین میں انسانی مصلحتوں کو یکسر نظرانداز کردیا گیا ہے، چنانچہ آج دنیا کے ان تمام ملکوں میں جو انسانی قانون کے زیر سایہ زندگی بسر کررہے ہیں ان میں شراب نوشی کی عام اجازت ہے، حالانکہ شراب انسان کے لیے نہایت نقصان دہ اور صحت وتندرستی کے لیے تباہ کن ہے، اسی طرح میڈیکل ماہرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ غیر قانونی جنسی تعلق اور ہم جنس پرستی نہایت مہلک فعل ہے اور نہ صرف اخلاقی لحاظ سے گھناؤنا اور تباہ کن ہے، بلکہ طبی لحاظ سے بھی زہر ہلاہل سے کم نہیں ہے، اس کے باوجود تقریباً پوری دنیا میں ان خلاف فطرت امور کی قانوناً اجازت دے دی گئی ہے۔

## مصالح انسانی کا خیال

انسانوں کے لیے ضابطہ حیات مرتب کرنے کا حق صرف اسی ذات کو ہوسکتا ہے جو ایک طرف انسان کی مصلحتوں اور اس کے حق میں نفع بخش چیزوں کو جانتا ہو اور اشیاء کے خواص ونتائج سے بھی پوری طرح آگاہ ہو تو دوسری طرف انسانی جذبات و احساسات اور اس کی خواہشات و ضروریات سے اچھی طرح واقف ہو، اگر وہ ان امور کی خبر نہیں رکھتا تو عین ممکن ہے کہ اس کے دیے ہوئے بعض احکام بجائے نفع کے نقصان اور بجائے فلاح وکامیابی کے خسران وناکامی کا باعث بن جائیں، ظاہر ہے کہ ایسی علیم وخبیر ذات صرف اللہ کی ہوسکتی ہے، کوئی انسان ہرگز یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ وہ کائنات کے سارے حقائق و معارف سے باخبر ہے، اشیاء کے نفع و نقصان اور اس کے خواص ونتائج سے آشنا ہے، کیونکہ انسان کی عقل کوتاہ واقع ہوئی ہے، اس کی سوچ وفکر کا دائرہ نہایت ہی

محدود اور تنگ ہے، دوسرے انسان پر طبعی خواہشات و میلانات کا اس شدت سے غلبہ ہوتا ہے کہ بسا اوقات بعض ناقابل انکار حقائق سے بھی صرف نظر کر لیتا ہے، اور کبھی محدود اور جزوقتی مادی منفعت صحیح نتیجہ تک رسائی میں سدراہ ثابت ہوتی ہے، اس لیے بہرصورت خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کا بنایا ہوا قانون لازمی طور پر انسانوں کے بنائے قوانین سے فائق و برتر ہوگا اور فطرت انسانی سے ہم آہنگ ہونے کے ساتھ ساتھ عدل وانصاف پر مبنی ہوگا۔

## یسر اور نرمی

اسلامی قانون میں قدم قدم پر یسر اور نرمی کو ملحوظ رکھا گیا ہے، فقہ اسلامی میں کوئی ایسا حکم نہیں ہے جس پر عمل پیرا ہونے سے انسان کسی مشکل میں پھنس جائے یا ایسی ناقابل برداشت صورت سے دوچار ہوجائے جس کی وجہ سے وہ فرائض و واجبات سے عہدہ برآ نہ ہوسکے، اس کی بہت سی مثالیں کتب فقہ سے پیش کی جاسکتی ہیں، مثلاً نماز اسلام کا دوسرا عظیم الشان رکن ہے، نماز ہر مکلف پر ہر دن پانچ بار فرض ہے اور ایک نماز ادا کرنے میں بمشکل دس بارہ منٹ لگتے ہیں، کوئی شخص کھڑے ہوکر نماز ادا کرنے پر قادر نہیں ہے تو شریعت نے اسے بیٹھ کر پڑھنے کی اجازت دی ہے، اسلام کا چوتھا رکن روزہ ہے، یہ سال میں صرف ایک مہینے فرض ہے، اس میں بھی بیماری اور سفر میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے افطار کی رخصت دی ہے، اسلامی قانون کی رو سے مردار جانور کا کھانا حرام ہے، لیکن اگر کوئی اضطراری صورت پیش آجائے تو شریعت نے بقدر ضرورت اسے کھانے کی اجازت دی ہے، قرآن و حدیث میں متعدد جگہوں پر سہولت اور نرمی کو اختیار کرنے پر زور دیا گیا ہے اور اعمال شاقہ سے گریز کرنے کی تاکید کی گئی ہے، فقہ اسلامی میں چار مکاتب فکر ہیں، ان مکاتب فکر کے مابین فروعی مسائل میں اختلافات پائے جاتے ہیں، پھر ہر مکتب فکر کے علماء سے بعض مسائل میں متعدد اقوال ملتے ہیں، ظاہر ہے کہ ان تمام اقوال کا منبع اور سرچشمہ کتاب الٰہی اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اور ان سب کا مقصد تسہیل وتیسیر ہے۔

## دوام وتسلسل

کسی بھی قانون کے مفید اور فعال رہنے کے لیے جہاں یہ ضروری ہے کہ اس میں حالات اور مواقع کے لحاظ سے تبدیلی قبول کرنے کی گنجائش ہو وہیں ایک گونہ ثبات ودوام اور بقا واستمرار بھی ضروری ہے، کیونکہ جو قانون بے لچک اور تغیر ناآشنا ہو، جمود وٹھہراؤ اس کی طبیعت ہو تو وہ عصر جدید کے تقاضوں کو پورا نہیں کرسکتا، نئے پیش آمدہ مسائل کے سامنے وہ ہتھیار ڈال دیتا ہے، شریعت کے احکام میں ان دونوں پہلوؤں کی رعایت کی گئی ہے، چنانچہ شریعت نے جہاں تغیر کو تسلیم کیا ہے اور عرف کا لحاظ کرنے کی اجازت دی ہے، وہیں دوام وتسلسل کی بھی ضمانت دی ہے۔

## فطرت انسانی سے ہم آہنگ

اسلامی قانون کے تمام احکام وہدایات فطرت انسانی سے ہم آہنگ ہیں، اس میں انسان کے مزاج و مذاق اور اس کے طبعی رجحانات و میلانات کی رعایت کی گئی ہے، فطرت سے بغاوت وسرکشی کے لیے ہمیشہ ہلاکت وبربادی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی ہے، انسان کے بنائے ہوئے اصول وقوانین میں فطرت سے بغاوت کا رجحان قدم قدم پر ملتا ہے، مثلاً زنا، ہم جنس پرستی غیر فطری عمل ہے، اس کے باوجود وضعی قوانین کے زیر سایہ جو ممالک زندگی بسر کررہے ہیں ان میں قانوناً اس کی اجازت ہے، جس کی وجہ سے بے حیائی، بوالہوسی اور اخلاقی انارکی ان ممالک میں عام ہے، فسق وفجور اور بے راہ روی ان میں روز افزوں ہے، اسلام ہمیشہ سے ان افعال سے برسرپیکار رہا ہے جو انسانی مصلحت ومفاد کے خلاف ہیں اور ان سے کسی قیمت پر سمجھوتہ نہیں کیا ہے۔

## تنفیذ کی قوت

اور ایک چیز جو فقہ اسلامی کو وضعی قوانین سے ممتاز کرتی ہے وہ تنفیذ کی قوت ہے، قانون کے نفاذ کے لیے عموماً دو طریقے اختیار کیے جاتے ہیں۔

(بقیہ.....صفحہ.....۴۱.....پر)

غلام حقانی۔ٹولی چوکی

# حضرت جبرئیل علیہ السلام

جبرئیل علیہ السلام کے بارے میں جاننے کے لئے ہمارے پاس دو ہی ذرائع ہیں۔ 1-قرآن مجید۔ 2-احادیث مبارکہ۔ جبرئیلؑ کو جاننے کی ہم اُسی طرح کوشش نہیں کرسکتے جس طرح ہم زمین، زمین پر بسنے والی مخلوق اور ستاروں وسیاروں کے بارے میں جاننے کی کوشش کرسکتے ہیں۔ اسی لئے ہم صرف قرآن مجید و احادیث مبارکہ ہی سے جبرئیل علیہ السلام کے بارے میں معلومات اخذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

1-جبرئیل علیہ السلام کا زمانہ پیدائش:

بطور خاص جبرئیل علیہ السلام کے زمانہ پیدائش کے بارے میں تو کچھ نہیں ملتا، ہاں فرشتوں کے زمانۂ پیدائش کے بارے میں حسب ذیل دو باتیں ملتی ہیں، اور ظاہر ہے کہ دیگر فرشتوں کے ساتھ ہی جبرئیلؑ کی پیدائش بھی ہوئی ہوگی۔

**(الف)فقضاهن سبع سماوات فی یومین و اوحی فی کل سماء امرها۔**

''تب اُس نے دو دنوں میں سات آسمان بنادیے اور ہر آسمان میں اُس کا قانون وحی کردیا۔'' (حم السجدہ:12)

''آسمان میں'' سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں کسی کو بسایا گیا تھا اور ان ہی کو مختلف ذمہ داریاں سونپی گئی تھیں اور وہ فرشتوں کے سوا کوئی اور نہیں ہوسکتے تھے، کیونکہ امور کائنات کی بہت ساری ذمہ داریاں فرشتوں ہی کو سونپی گئی ہیں۔اس طرح اس آیت مبارکہ سے پتہ چل جاتا ہے کہ فرشتوں کی پیدائش آسمانوں کی پیدائش کے فوراً بعد ہی اور آسمانوں ہی میں عمل میں آئی اور اُن فرشتوں میں جبرئیل علیہ السلام بھی شامل تھے۔ آسمانوں کی عمر (4.57) ارب سال ہے تو جبرئیلؑ کی عمر تقریباً (4.5) ارب سال ہونی چاہیے۔

**(ب)واذا قال ربك للملائكة انی جاعل فی الارض خلیفة۔**

''جب آپؐ کے رب نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔'' (البقرۃ:30)

اس آیت مبارکہ سے ظاہر ہے کہ فرشتوں کی پیدائش انسان کی پیدائش سے بہت پہلے ہی ہوچکی تھی اور ظاہر ہے کہ جبرئیلؑ بھی ان میں شامل تھے۔

(2)جبرئیل علیہ السلام کی تخلیق:

فرشتوں کی تخلیق کے تعلق سے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

**اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِیْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ، یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ، اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔**

''تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو کہ آسمانوں وزمین کا فاطر یعنی موجد وخالق ہے۔ وہی ہے جو کہ دو دو، تین تین اور چار چار پروں والے فرشتوں کو پیغام پہنچانے والا بناتا ہے، وہ اپنی خلق میں جو چاہے زیادتی کرتا ہے۔ (سورۃ فاطر)

اس آیت مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ جس طرح اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ آسمانوں وزمین کے موجد اور بلا کسی واسطے کے خالق ہیں، اسی طرح فرشتوں کے بھی موجد اور بلا کسی واسطے کے خالق ہے۔فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے دو دو تین تین اور چار چار پروں والا بنایا ہے جس طرح انسان کو دو انجنوں والا ہوائی جہاز، تین انجنوں والا ٹرائی اسٹار (Tri Star) اور چار انجمنوں والا جمبو جٹ بنایا ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ اپنا جمبو جٹ بنایا ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ اپنی خلق میں جو چاہے زیادتی کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جبرئیلؑ کو چھ سو

پروں والا بنایا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیلؑ کو ان کی اصلی شکل میں یعنی چھ سو پروں کے ساتھ دو دفعہ دیکھا تھا۔ جیسا کہ درج ذیل آیات سے ظاہر ہے۔ **ولقد رآہ بالافق المبین۔**

''انہوں نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے) اُس پیغامبر (جبرئیلؑ) کو روشن اور واضح افق پر دیکھا۔ (التکویر)

کہا جاتا ہے کہ جبرئیلؑ کے چھ سو پر تھے اور اُن کی وجہ سے پورا اُفق چھپ گیا تھا۔

**ولقد رآہ نزلۃ اخری، عند سدرۃ المنتھی، عندھا جنۃ المأویٰ۔**

''اور ایک مرتبہ پھر انہوں نے سدرۃ المنتہی کے پاس اس کو دیکھا جہاں پاس ہی جنت الماویٰ ہے۔ (النجم)

ان آیتوں سے جبرئیلؑ کی غیر معمولی جسامت کا اندازہ ہوسکتا ہے اور چھ سو پروں سے ان کی غیر معمولی طاقت اور غیر معمولی رفتار کا اندازہ ہوسکتا ہے جیسا کہ "**علمہ شدید القویٰ**" اُسے زبردست قوت والے نے تعلیم دی ہے۔'' اس سے ظاہر ہے۔

(3) جبرئیل کے پروں کی نوعیت:

پروں کی تعداد دراصل طاقت اور تیز رفتاری کو ظاہر کرتی ہے۔ جس طرح کسی ہوائی جہاز کو چھ سو انجن لگا دیئے جائیں تو اُس کی قوت میں بھی غیر معمولی اضافہ ہوگا اور رفتار میں بھی۔ لیکن جہاز کی قوت اور رفتار کا دارومدار انجنوں میں استعمال ہونے والے ایندھن پر بھی ہوتا ہے، پرندوں کے پروں کو بھی طاقت پرندوں کی غذا فراہم کرتی ہے۔ اسی طرح فرشتوں کے پروں کو طاقت فراہم کرنے کا کوئی نہ کوئی ذریعہ ضروری ہے اور وہ ذریعہ بھی ایسا ہونا چاہئے جو کہ فرشتوں کو غیر معمولی طاقت کے ساتھ ساتھ غیر معمولی رفتار بھی فراہم کرے۔

ابھی تک دریافت ہونے والی اشیاء میں نور یا روشنی کی رفتار سب سے زیادہ ہوتی ہے یعنی (1,86,000) میل فی سیکنڈ۔ حالیہ تحقیق کے مطابق اس روشنی کو کسی خاص مادے سے ٹکرایا جائے تو رفتار لامتناہی (Infinite) بھی ہوسکتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ نور میں اس بات کی صلاحیت ہے کہ وہ لامتناہی رفتار اختیار کرے۔ فرشتوں کو اور خاص طور پر جبرئیل علیہ السلام کو کئی کئی ٹریلین میل کا فاصلہ پلک جھپکتے میں طے کرنا پڑتا ہے اور یہ رفتار اُسی وقت ممکن ہے جب کہ اُن کے پروں کو نور کا ایندھن ملتا رہے۔ نور کا ایندھن فراہم کرنے کے لیے فرشتوں کا نورانی ہونا ضروری ہے اور اسی طرح جبرئیلؑ کا بھی نورانی ہونا ضروری ہے۔

(4) جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کے سردار:

جبرئیلؑ کے تعلق سے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

**مطاع ثم امین۔** اس کی اطاعت کی جاتی ہے اور وہ امین ہے۔ (التکویر)

جیسا کہ درج ذیل آیات مبارکہ سے ظاہر ہے۔

**(الف) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:**

**تنزل الملائکۃ والروح فیھا باذن ربھم من کل امر۔**

فرشتے اور روح یعنی جبرئیلؑ شب قدر میں اپنے رب کے حکم سے (زمین پر) نازل ہوتے ہیں ہر حکم لے کر (پوری امانتداری کے ساتھ (القدر) یہاں روح یعنی جبرئیلؑ کا علاحدہ ذکر اس حقیقت کی جانب اشارہ ہے کہ فرشتے اُن کی قیادت اور سیادت یعنی سرداری میں زمین پر اُترتے ہیں۔

(ب) ترجمہ: اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، یاد کرو اللہ کے احسان کو جو اُس نے تم پر کیا ہے، جب کہ لشکر تم پر چڑھ آئے تو ہم نے اُن پر ایک سخت آندھی بھیجی اور ایسی فوجیں روانہ کیں جو تم کو نظر نہ آتی تھیں۔''

(الاحزاب:9)

اس آیت میں غزوۂ احزاب کا ذکر ہے جس میں کفار، مشرکین بری طرح شکست کھا کر افراتفری کے عالم میں بھاگ کھڑے ہوئے۔ عالمی شہرت یافتہ سیرت النبی کی کتاب ''الرحیق المختوم'' کے مطابق ''جس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق سے واپس تشریف لائے، اُسی روز ظہر کے وقت جب کہ آپؐ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان میں غسل فرما رہے تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا: ''کیا آپ نے ہتھیار رکھ دیے، حالانکہ ابھی فرشتوں نے ہتھیار نہیں رکھے اور

میں بھی قوم کا تعاقب کر کے بس واپس چلا آرہا ہوں۔ اُٹھئے اور اپنے رفقاء کو لے کر بنو قریظہ کا رخ کیجئے۔ میں آگے آگے جارہا ہوں۔ اُن کے قلعوں میں زلزلہ برپا کروں گا اور ان کے دلوں میں رعب و دہشت ڈالوں گا۔ یہ کہہ کر حضرت جبرئیلؑ فرشتوں کے جلو میں روانہ ہوگئے۔"

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ جب کبھی اللہ جل شانہٗ نے فرشتوں کی فوج زمین پر اتاری، جبرئیلؑ ہی اس فوج کے قائد اور سردار رہے۔

(ج) "کیوں نہیں، بلکہ اگر تم صبر کرو اور لالہ سے ڈرتے رہو اور اگر کافر فوری طور پر تم پر حملہ آور ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ پانچ ہزار مقرر شدہ فرشتوں کے ساتھ تمہاری مدد فرمائے گا۔" (آل عمران:125)

یہ غزوۂ بدر کے بارے میں ہے۔ حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے مومنین کی مدد فرمائی اور فرشتوں کی قیادت وسیادت جبرئیلؑ نے فرمائی۔

(د) "تب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ اور مومنین پر سکون واطمینان طاری فرمایا اور ایسے لشکر اتارے جنہیں تم دیکھ نہیں سکتے تھے اور کافروں کو عذاب میں مبتلا کیا۔ کافروں کی یہی سزا ہے۔" (التوبہ:26)

اس آیت مبارکہ میں غزوۂ حنین کی جانب اشارہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا لشکر اتارا تھا اور اس لشکر کی قیادت جبرئیلؑ نے کی تھی۔

(5) جبرئیلؑ اللہ تعالیٰ کے نورِ نظر

(الف) محسوس کرنے والی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ درج ذیل آیت مبارکہ میں جبرئیلؑ کا کس اکرام کے ساتھ ذکر فرمایا رہے ہیں:

**اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ، ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ، مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ۔**

(یہ حقیقتاً ایک بزرگ (قابل تکریم) پیغامبر کا قول ہے جو بڑی قوت اور توانائی رکھتا ہے، عرش والے کے ہاں بلند مرتبہ۔ (التکویر)

(ب) یہودی جبرئیلؑ کو اپنا دشمن کہا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ کس قدر غیظ وغضب کے ساتھ اس کا جواب درج ذیل آیت مبارکہ میں دے رہے ہیں، اُس کو دل کی گہرائیوں میں محسوس کیا جانا چاہیے:

**مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ۔**

جو کوئی اللہ اس کے فرشتوں، اس کے رسولوں اور جبریل اور میکائیل کے دشمن ہیں تو یقیناً اللہ ان کافروں کا دشمن ہے۔ (البقرۃ:98)

جبرئیلؑ کے دشمن ہونے پر اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو اللہ کا، فرشتوں کا، رسولوں کا، جبرئیلؑ کے ساتھ میکائیل علیہ السلام کا دشمن قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ اُن کافروں کا دشمن ہے۔ یہ انداز بیان اُن کے لئے ہی اختیار کیا جاسکتا ہے جو کہ اللہ کے نورِ نظر ہوں۔

(6) جبرئیلؑ یعنی روح الامین کی اہم ترین ذمہ داری:

اللہ تعالیٰ نے اپنے راہ راست سے بھٹکے ہوئے بندوں کی ہدایت ورہبری کا انتظام راہ راست سے بھٹکے ہوئے بندوں کی ہدایت و رہبری کی باتوں کو انبیاء ورسل تک پہنچانے کی زیادہ تر ذمہ داری جبرئیل علیہ السلام کو سونپی اور چونکہ جبرئیلؑ اللہ تعالیٰ کی جانب سے رشد و ہدایت کی باتیں بلاکم وکاست انبیاء ورسل تک پہنچا دینے پر مامور تھے، اسی لئے انہیں الامین کا لقب دیا گیا جیسا کہ درج ذیل آیت نمبر (193) سے ظاہر ہے:

**اِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ، عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ۔**

"اور بلاشک وشبہ یہ (قرآن) رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے۔ اُسے امانت دار فرشتے (یعنی جبرئیلؑ) نے آپؐ کے قلب پر نازل کیا ہے تاکہ آپؐ ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں۔ (الشعراء:194)

سورۃ التکویر کی آیت نمبر (21) میں بھی جبرئیلؑ کو "امین" کہا گیا ہے یعنی **مطاع ثم امین۔**

اور جبرئیلؑ اپنی یہ ذمہ داری آدمؑ سے ہمارے آقا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے بھی انبیاء ورسل آئے، سب کے تعلق سے، پوری امانتداری کے ساتھ نبھاتے رہے۔ جیسا کہ سورۃ الشعراء کی مندرجہ بالا

آیات سے ظاہر ہے، جبرئیلؑ ہمارے آقا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر قرآن مجید کا نزول فرماتے رہے، جس کی (23) سالوں میں تکمیل ہوئی۔

قرآن مجید کے علاوہ ہمیں احکام شرعیہ یا بعض احکام کی تفصیل پہنچانے کے لئے جبرئیلؑ کسی آدمی کی شکل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ تب بھی وہ کبھی کبھی ہی صحابہ کرامؓ کو نظر آتے تھے۔ احکام کے علاوہ بھی ہر وہ بات جو اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ کو پہنچانا چاہتے وہ جبرئیلؑ کے ذریعے ہی ہوتی، حتیٰ کہ معراج میں میزبان یعنی اللہ تعالیٰ کا نمائندہ اور رہبر جبرئیلؑ ہی کو بنایا گیا۔

(7) عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش میں جبرئیلؑ کا کردار:

اس تعلق سے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کی طرف حق کے سوا کوئی بات منسوب نہ کرو۔ المسیح عیسیٰ ابن مریم اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اللہ کا ایک رسول تھا اور ایک کلمہ یعنی فرمان تھا جو اللہ نے مریمؑ کی طرف بھیجا اور ایک روح تھی اللہ کی طرف سے۔" (النساء:121)

اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل تک اپنے پیغامات پہنچانے کے لئے جس طرح جبرئیلؑ کو مامور فرمایا، اسی طرح مریم علیہا السلام تک بھی اللہ کا کلمہ یا فرمان پہنچانے کے لئے جبرئیلؑ ہی کو مامور فرمایا۔

سورۃ مریم کی آیا نمبر (16) تا (22) میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "اور اے نبیؐ! اس کتاب میں مریمؑ کا حال بیان کیجئے جب کہ وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر شرقی جانب گوشہ نشین ہوگئی تھیں اور پردہ ڈال کر اُن سے چھپ بیٹھی تھیں۔ اس حالت میں ہم نے اُن کے پاس اپنی روح (یعنی جبرئیل علیہ السلام) کو بھیجا اور وہ اُن کے سامنے پورے انسان کی شکل میں نمودار ہوا۔ مریم یکا یک بول اٹھیں کہ "اگر تو متقی یعنی ڈرنے والا ہے تو میں تجھ سے الرحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں۔" اُس نے کہا "میں تو تیرے رب کا رسول یا فرستادہ ہوں اور اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔" مریم نے کہا "میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا جب کہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں اور میں کوئی بدکار عورت نہیں ہوں۔" فرشتے نے کہا "ایسا ہی ہوگا، تیرا ربّ فرماتا ہے کہ ایسا کرنا (یعنی بن باپ کے لڑکا پیدا کرنا) میرے لئے بہت آسان ہے اور یہ ہم اس لئے کریں گے تاکہ اُس لڑکے کو لوگوں کے لئے ایک نشانی بنادیں اور اپنی طرف سے ایک رحمت اور یہ کام ہو کر رہنا ہے۔" پھر مریمؑ کو اُس بچے کا حمل رہ گیا اور وہ اس حمل کے ساتھ دور مقام پر چلی گئی۔

ان آیاتِ مبارکہ میں چند باتیں غور طلب ہیں:

(1) مریمؑ بیت المقدس کی خدمت پر مامور تھیں۔

(2) انہیں عبادت کے لئے یا اعتکاف کے لئے مسجد کے احاطے ہی میں ایک محراب یا حجرہ دیا گیا تھا۔

(3) عام عورتوں کے برعکس مریمؑ کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم تھا۔ ان ساری باتوں کو چھوڑ کر وہ اپنے لوگوں سے (یعنی مسجد کے دوسرے خدمت گاروں سے) علاحدہ ہوئیں اور شرقی جانب گوشہ نشین ہوگئیں اور پردے کے ذریعے حجاب اختیار کیا۔ اس کا صرف اور صرف ایک ہی مطلب ہوسکتا ہے اور وہ یہ کہ انہیں کوئی عذر شرعی لاحق ہوگیا تھا۔ ایک نوجوان غیر شادی شدہ لڑکی کے لئے عذر شرعی "ماہواری" کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے؟ تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے، صرف اتنا بتادینا کافی ہے کہ ماہواری کے بعد عورت کے بیضہ دان (Ovary) سے ایک پختہ (Mature) بیضہ عورت کے رحم کے کنارے پہنچ جاتا ہے۔ اُس وقت اُس بیضہ میں (23) کروموزوم ہوتے ہیں، (22) کروموزوم جسمی اور ایک کروموزوم جنسی جو کہ ہمیشہ (X) ہوتا ہے۔ حمل کے لئے مزید (23) کروموزوم کی ضرورت ہوتی ہے جو کہ مرد کے نطفے سے پوری کی جاتی ہے۔

جبرئیلؑ نے انسانی مرد کی شکل میں یہ کہا کہ "میں تیرے رب کی جانب سے بھیجا گیا ہوں تاکہ تجھے ایک بیٹا دوں۔"

(بقیہ.....صفحہ.....۴۱.....پر)

# پانی
## عظیم نعمت کی ناقدری

مفتی شعیب احمد بستوی

اللہ رب العزت نے انسانوں کو بے شمار نعمتیں عطا فرمائی ہیں، خود انسان سراپا نعمت ہے، ان نعمتوں کا احصاء اور شمار بھی ناممکن ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ (**و ان تعدوا نعمة الله لا تحصوها**) (الآیۃ) مگر ان نعمتوں میں سے بہت سی نعمتیں ایسی ہیں جن کو عظیم نعمت کہا جاسکتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان میں سے، بہت سی نعمتوں، بہت سے مواقع پر، ان کی اہمیت جتلانے کے لیے بطور احسان و امتنان یاد دلایا ہے، انہیں میں سے ایک عظیم نعمت ''پانی'' بھی ہے، قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بہت سے مواقع پر بطور امتنان و احسان اس کو ذکر کیا ہے: (**وانزلنا من السماء ماءً طهوراً، لنُحيي به بلدة ميتاً و نسقيه مما خلقنا انعاماً و اناسي كثيراً**) (سورۂ فرقان 49-48) بلکہ ایک جگہ تو فرمایا: تمام چیزوں کی حیات ہی پانی پر موقوف ہے۔ (**وجعلنا من الماء كل شيء حي افلا يؤمنون**) (سورۂ انبیاء:30) اور حقیقت بھی یہ ہے کہ تمام مخلوقات چرند پرند، انسان وحیوان، نباتات کی حیات دنیوی پانی ہی پر منحصر ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے سہل الحصول اور اس کو کسی کا مملوک نہیں بنایا، بلکہ تمام بندوں کو اس کے حاصل کرنے میں پوری طرح سے مختار بنایا، چنانچہ علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے اعلاء السنن میں پانی کے سلسلہ میں اسلامی تعلیمات کا جو خلاصہ پیش کیا ہے اس کی روشنی میں دنیا میں پائے جانے والے پانیوں کو چھ قسموں میں تقسیم کیا ہے اور ان چھ میں سے صرف ایک قسم کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ مملوک شمار ہوگا اور اس کا مالک دوسرے کو اس کے لینے سے منع کرسکتا ہے، بقیہ پانچ قسم کے پانیوں کو لینے سے کسی کو منع نہیں کیا جاسکتا ہے۔

مگر اتنی سہل الحصول اور کثیر الوجود شے کے استعمال کو شریعت نے بالکل آزاد نہیں چھوڑا، بلکہ اس کے لیے حدود مقرر کیں، پانی کے استعمال کے بارے میں شرعی احکام کا جو خلاصہ ہے، وہ یہ ہے کہ: استعمال کرنے والا پانی کی مقدار پر نظر نہ کرے، بلکہ اپنی حاجت اور ضرورت کا خیال کرے، جتنے پانی میں اس کی ضرورت پوری ہوسکے صرف اسی پر اکتفا کرے، اس سے زیادہ اگر استعمال کرے گا، تو یہ ''اسراف'' (فضول خرچی) شمار ہوگا، چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ ایک صحابی حضرت سعدؓ وضو فرمارہے تھے، جس میں ضرورت سے زیادہ پانی استعمال کررہے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: یہ کیا اسراف ہے؟ صحابی رسول نے تعجب سے پوچھا، اللہ کے رسول! کیا وضو میں بھی اسراف ہے؟ آپ نے فرمایا جی ہاں! چاہے تم بہتی ہوئی نہر ہی پر کیوں نہ ہو۔ (ابن ماجہ قدیمی، ص:34)

صاحب بذل المجہود نے لکھا ہے کہ "**وقد أجمعت الأمة على كراهة الاسراف في الطهور وضوء او كان غسلاً او طهارة عن النجاسات و ان كان على شط نهر.**" (61/1) یعنی امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ طہارت میں ضرورت سے زائد پانی استعمال کرنا مکروہ ہے، وضو ہو یا غسل ہو یا دوسری نجاستوں کو زائل کرنا ہو۔

خود رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا پانی کے استعمال کا کیا معمول تھا، ملاحظہ ہو: ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مُد (تقریباً پاون لیٹر) پانی سے وضو فرماتے تھے اور ایک صاع (تقریباً ساڑھے تین لیٹر) پانی سے غسل فرماتے تھے۔ (ابن ماجہ قدیمی، ص:24)

لیکن آج اگر کہا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہو کہ جتنا اسراف پانی میں ہو رہا ہے اتنا شاید کسی اور چیز میں نہیں ہو رہا ہے، جب پانی نلوں اور کنوؤں سے نکالنا پڑتا تھا تب بھی معاملہ بہت غنیمت تھا، مگر جب سے ترقی ہوئی اور الیکٹرانک دور شروع ہوا تب سے اس کا استعمال جس طرح بے دریغ ہونے لگا کہ الامان والحفیظ، پہلے جتنے پانی میں بآسانی غسل ہو جاتا تھا، اب اتنے پانی میں ایک دو کا گزارا مشکل ہو گیا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ نہ کوئی روک ٹوک کرنے والا ہے اور نہ ہمیں اس کی نعمت ہونے کا احساس اور نہ یوم الحساب میں جواب دہی کا ڈر۔

لیکن یاد رہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کی انتہائی ناقدری ہونے لگتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان نعمتوں کو چھین لیتے ہیں، چنانچہ اگر آپ پورے عالم میں نظر ڈالیں گے تو اس وقت پوری دنیا پانی کے مسائل سے دوچار ہے، آپ نے اپنے ملک کے بعض علاقوں کا حال سنا یا دیکھا ہوگا کہ وہاں پر پانی کا کال پڑا ہوا ہے، لوگ پانی کے لیے میلوں کا سفر کر رہے ہیں اور لمبی لمبی قطاریں لگی ہوئی ہیں، گھنٹوں کے بعد جب نمبر آتا ہے تو بقدر ضرورت پانی بھی نہیں ملتا، زمینوں میں لگے ہوئے نل اور ٹیوب ویل فیل ہو رہے ہیں دنیا اور نہریں خشک ہوتی جا رہی ہیں اور ہر علاقے میں پانی کی سطح روز بروز گھٹتی جا رہی ہے، جس سے بہت سارے علاقوں میں ہاہا کار مچی ہوئی ہے، بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اگلی عالم گیر جنگ پانی کے مسئلہ پر ہوگی۔

جن لوگوں کے یہاں مذہبی طور پر ایسے حالات کے لیے کوئی ہدایات نہ ہوں تو شکوہ ان سے نہیں، مگر جس قوم کے یہاں زندگی کے تمام شعبوں، حتیٰ کہ پانی کے متعلق بھی روشن ہدایات موجود ہوں اور ان کے مطابق زندگی نہ گزارنے میں روز قیامت جواب دہی بھی ہو پھر بھی کوئی ان ہدایات پر عمل نہ کرے تو گلہ ان سے ہے۔

ابن ماجہ کی حدیث ہے: ایک صحابی نے فرمایا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وضو کے لیے ایک مُد اور غسل کے لیے ایک صاع پانی کافی ہے تو اس پر ایک صاحب نے فرمایا کہ ہمارے لیے تو کافی نہیں ہوتا؟ جواب میں صحابی رسول نے فرمایا ان کے لیے تو کافی ہو جاتا تھا جو تجھ سے زیادہ بہتر اور تجھ سے زیادہ بالوں والے تھے۔ (ابن ماجہ قدیمی: 24)

مطلب یہ ہے کہ اگر تمہیں یہ خیال ہو کہ طہارت حاصل کرنے میں تم زیادہ حریص اور متقی ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تم سے زیادہ حریص اور متقی تھے اور اگر اپنے بالوں کی وجہ سے سمجھتے ہو کہ یہ ناکافی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تم سے زیادہ بالوں والے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عام حالات میں پانی کے بارے میں اسلامی تعلیمات یہ ہیں کہ پاک پانی کو حتی الامکان ناپاک اور ضائع ہونے سے بچایا جائے، چنانچہ حدیث "لا یبولن أحدکم فی الماء الراکد" یا حدیث "اذا استیقظ احدکم من نومه فلا یغمسن یده فی الانام حتی یغسلها ثلاثاً فأنه لا یدری این باتت یده۔" (أو کما قال صلی الله علیه وسلم) میں اسی کی تاکید ہے اور اسی طرح کوئی ایسا طریقہ نہ اختیار کیا جائے جس کی وجہ سے دوسروں کے لیے اس کی قلت پیدا ہو جائے، بلکہ جتنی مقدار سے اپنی ضرورت پوری ہو جائے اتنی مقدار سے اپنی ضرورت پوری کر لی جائے۔

جب یہ تعلیمات عام حالات میں ہیں تو اگر حالات تنگ ہوں، بلکہ سنگینی کے پیدا ہو جائیں تو ان ہدایات پر عمل کرنا کتنا ضروری ہو جائے گا؟ اس کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں، لہٰذا تمام انسانوں، خصوصاً مسلمانوں سے ہماری دردمندانہ اپیل ہے کہ وہ پانی کے معاملہ میں ہر جگہ اور ہر طور سے احتیاط سے کام لیں، یہ نہ سوچیں کہ ہمارے یہاں تو کوئی کمی نہیں، کیونکہ عالمی تناظر سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ کب، کہاں، کیا حالات پیدا ہو جائیں، اس کا قبل از وقت اندازہ لگانا مشکل ہے، وہ خلاق علیم وقدیر کب اور کس کی گرفت کر لیں، کچھ کہا نہیں جا سکتا اور پھر ندامت اور احساس کا فائدہ کچھ نہیں ہوگا۔

اسی طرح علمائے کرام، خطباء اور ائمہ مساجد سے درخواست ہے کہ لوگوں کو اس طرف متوجہ و متنبہ کریں۔

مفتی عظیم عالم قاسمی

# امانت اور خیانت

امانت داری ایمان کا حصہ ہے، جو شخص اللہ اور آخرت پر یقین رکھتا ہے وہ کسی کی امانت میں خیانت نہیں کرسکتا۔ اسے اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ اگر میں نے کسی کا حق دبالیا، اس کی ادائیگی میں کمی اور کوتاہی کی تو میرا رب مجھے دیکھ رہا ہے، وہ یقیناً اس کا حساب لے گا اور اس دن جب کہ ہر شخص ایک ایک نیکی کا محتاج ہوگا، حق تلفی کے عوض میری نیکیاں دوسروں کو تقسیم کردی جائیں گی، پھر میری مفلسی پر وہاں کون رحم کرے گا؟ اس طرح کے تصورات سے اہل ایمان کا دل کانپ اٹھتا ہے اور پھر خیانت یا حق تلفی کرنے سے باز آجاتا ہے۔ لیکن جس کے دل میں ایمان ہی نہ ہو یا ماحول اور حالات نے ایمان کی روشنی سلب کرلی ہو تو خیانت کرنے میں ایسے شخص کو کوئی تردد نہیں ہوتا، اسی لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امانت داری کو ایمان کی علامت اور پہچان قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"لا ایمان لمن لا امانة له، و لا دین لمن لا عهد له۔"

(سنن بیہقی 12690)

ترجمہ: جس میں امانت داری نہیں اس میں ایمان نہیں اور جس شخص میں معاہدہ کی پابندی نہیں اس میں دین نہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن کریم کے متعدد مقامات پر ایمان داری کی تاکید فرمائی ہے: ارشاد باری ہے:

(فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ) (بقرۃ:283)

ترجمہ: "تو جو امین بنایا گیا اس کو چاہیے کہ اپنی امانت ادا کرے اور چاہیے کہ اپنے پروردگار اللہ سے ڈرے۔"

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں امانت داری کو تقویٰ سے جوڑ دیا ہے، یعنی جس کو موت کے بعد کی زندگی، حساب وکتاب اور عدالت الٰہی پر یقین ہو، جس کے دل میں خوف خدا اور اس کی گرفت کا احساس ہو، اسے چاہیے کہ امانت میں خیانت نہ کرے، جس کا جو حق ہے پورا پورا ادا کردے، اس لیے کہ اس دنیا میں خیانت کرنے والا قیامت کے دن چین وسکون سے نہیں رہ سکتا، وہاں ایک ایک کا حق ادا کرنا ہوگا اور بڑی دشواریوں کا سامنا ہوگا۔ لیکن جس کو آخرت پر یقین نہیں وہ جو چاہی کرے، دنیا میں چندروزہ زندگی کے بعد آخر اپنے کیے ہوئے پر افسوس ہوگا اور بڑے خسارے میں ہوگا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی فرمائی ہے کہ زمانہ قیامت سے جیسے جیسے قریب ہوگا ایمانی قوت کم ہوتی چلی جائے گی، اس کے نتیجے میں امانت داری بھی اٹھ جائے گی اور حال یہ ہوگا کہ مسلمانوں کی بڑی بڑی آبادی ہوگی، مگر امانت دار پوری آبادی میں ایک آدھ مشکل سے دستیاب ہوگا اور وہ بھی حقیقت میں امین نہ ہوگا۔ لوگ مثال کے طور پر کہیں گے فلاں قوم میں ایک امانت دار شخص ہے، آدمی کی تعریف ہوگی کہ کیسا عقلمند، کیسا خوش مزاج اور کیسا بہادر ہے، حالانکہ اس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمانداری نہ ہوگی۔ (صحیح بخاری، کتاب الفتن)

امانتداری کی اس قدر اہمیت کے باوجود آج کے معاشرہ میں اسے کوئی وزن نہیں دیا جاتا، اچھے اچھے لوگ بھی جو عرف میں دیندار سمجھے جاتے ہیں وہ بھی امانت اور حق کی ادائیگی کا پاس ولحاظ نہیں رکھتے، انہیں اس بات کا احساس نہیں ہوتا کہ امانت کی حفاظت اور اس کا مکمل طور پر ادا کرنا دینی وشرعی فریضہ ہے، بعض لوگوں میں امانت داری کا جذبہ ہوتا بھی ہے تو وہ صرف

مال کی حد تک محدود رہتا ہے، اگر کسی شخص کے پاس کسی کا مال رکھا ہو تو وہ اسے ادا کردیتا ہے، عام طور پر لوگوں کا ذہن اسی مالی امانت کی طرف جاتا ہے، حالانکہ امانت کی اور بھی مختلف قسمیں ہیں، جن کی اہمیت بعض صورتوں میں مالی امانت سے بھی بڑھی ہوئی ہوتی ہے، ان کی حفاظت بھی ایک مسلمان کے لیے اتنی ہی ضروری ہے جتنی مالی امانت کی ہوتی ہے، اسی لیے فتح مکہ کے موقع پر خانۂ کعبہ کی کنجی جب عثمان بن طلحہ بن عبدالدار شیبی کو دینے اور ان کی امانت ان کو واپس کرنے کی تاکید کی گئی تو امانت کو جمع کے صیغے کے ساتھ استعمال کیا گیا، ارشاد باری ہے:

**اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا** (النساء آیت:58)

"اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مستحقین کو پہنچادیا کرو۔" قابل غور بات یہ ہے کہ کنجی کوئی اہم مال نہیں، بلکہ یہ خانہ کعبہ کی خدمت کی نشانی ہے، جس کا تعلق مال سے نہیں عہدے سے ہے، پھر بھی اس کو امانت سے تعبیر کیا گیا اور پھر جمع کا صیغہ استعمال کرکے اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا کہ امانت کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں، جن کی ادائیگی تمام مسلمانوں پر لازم ہے، ذیل میں امانت کی چند ایسی صورتیں بیان کی جارہی ہیں جن کی طرف عام طور پر لوگوں کا ذہن نہیں جاتا، چنانچہ وہ ان امانتوں میں خیانت کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں اور انہیں کسی معصیت کا خیال بھی پیدا نہیں ہوتا، حالانکہ شریعت کی نظر میں ان چیزوں میں بھی خیانت قبیح اور موجب گناہ عمل ہے، جس سے ہر مسلمان کا بچنا نہایت ضروری ہے، مثلاً:

## نااہلوں کو عہدے اور مناصب سپرد کردینا

حکومت کی ذمہ داری ہے کہ جس عہدہ اور منصب کا جو اہل ہو اسی کو وہ سپرد کیا جائے، اس کے لیے سب سے پہلے غور کرنا چاہیے کہ اس کے ماتحتوں میں کون ایسا شخص ہے، جس میں پیش نظر ملازمت یا عہدے کی مکمل شرطیں پائی جارہی ہیں؟ ایسا کوئی شخص مل جائے تو وہی اس کا سب سے زیادہ مستحق ہے، لہٰذا کسی پس وپیش کے بغیر وہ عہدہ اور ملازمت اس کو سپرد کردی جائے اور اگر مطلوب صلاحیت کا حامل کوئی شخص دستیاب نہ ہو تو موجودہ لوگوں میں جو سب سے زیادہ لائق و فائق ہو اس کو منتخب کیا جائے، غرض یہ کہ حکومت کے ماتحت جتنے بھی عہدے اور مناصب ہوتے ہیں وہ امانت ہیں اور ارباب حکومت اس کے امین ہیں، اگر حکومت نے اپنے ماتحت کسی شخص کو اس کا مجاز بنایا ہے تو وہ بھی امین ہے، ان سب کو چاہیے کہ عہدے اور منصب پوری دیانتداری سے تقسیم کریں، صلاحیت اور شرائط کو اس کے لیے معیار بنایا جائے، نہ کہ قرابت اور تعلق کو۔ اگر کسی شخص کو ذاتی تعلق یا سفارش کی بنیاد پر رشوت لے کر کوئی عہدہ اور منصب سپرد کیا جاتا ہے تو یہ خیانت ہے اور تمام ذمہ دار اس خیانت کے مرتکب ہوں گے، ایک موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو عام مسلمانوں کی کوئی ذمہ داری سپرد کی گئی ہو، پھر اس نے کوئی عہدہ کسی شخص کو محض دوستی و تعلق کے پیش نظر دے دیا، اس پر اللہ کی لعنت ہے نہ اس کا فرض مقبول ہے نہ نفل، یہاں تک کہ وہ جہنم میں داخل ہوجائے۔ (جمع الفوائد: ص:335)

نااہلوں کو عہدے سپرد کرنے سے گناہ تو ہوتا ہی ہے، خود دنیوی اعتبار سے بھی نظام درہم برہم ہوجاتا ہے، اس سے مستحقین اور باصلاحیت افراد کے بجائے ناکارہ اور نااہل لوگ عہدوں پر فائز ہوجاتے ہیں، ان میں کام کی صلاحیت نہیں ہوتی، اس لیے پورا شعبہ بگڑ جاتا ہے اور پھر عوام کے لیے یہ اذیت رسانی کا باعث ہوتا ہے، آج کل ملکی حالات کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ نیچے سے لے کر اوپر تک تمام شعبوں میں کہیں رشوت اور سفارش اور کہیں تعلق اور قرابت کی بنیاد پر عہدے اور ملازمتیں تقسیم کی جارہی ہیں، یہاں تک کہ عصری تعلیم گاہوں میں بھی اساتذہ کی تقرری میں رشوت کا لین دین عام ہوگیا

ہے، اس کے نتیجے میں یہ تعلیم گاہیں باصلاحیت افراد سے محروم ہیں، تقریباً تمام شعبوں کا یہی حال ہے، اس لیے حکومت کا نظام فساد کا شکار ہوگیا ہے اور آج ہر شخص اپنی جگہ بے چین و مضطرب نظر آرہا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: "اذا وسدالامر الی غیر اهله فانتظر الساعة۔" (صحیح بخاری:59) "جب دیکھو کہ کاموں کی ذمہ داری ایسے لوگوں کو سپرد کردی گئی جو ان کے اہل اور قابل نہیں تو قیامت کا انتظار کرو۔"

یعنی جب نااہل افراد کو کوئی ذمہ داری یا عہدہ اور منصب سپرد کیا جائے تو فساد یقینی ہے اور اب دنیوی نظام کو فساد سے کوئی بچا نہیں سکتا، اس لیے اب قیامت کا انتظار کرو، اس میں خلافت سے لے کر ایک ادنیٰ ملازمت بھی شامل ہے۔

اس خیانت کا تعلق صرف حکومت اور سرکاری عہدوں سے ہی نہیں، بلکہ نجی کمپنی، انجمن اور عوامی اداروں سے بھی ہے، جو ان اداروں اور کمپنیوں کو مفید اور بافیض بنانا چاہتے ہیں انہیں چاہیے کہ جس کام کے جو لائق اور اہل ہے، اسے وہیں رکھا جائے، کسی بھی وجہ سے اگر کم تر صلاحیت والے افراد کو فوقیت دی جائے تو ادارہ کبھی ترقی نہیں پاسکتا، دینی مدارس میں بھی تقسیم اسباق اور دیگر امور میں اس اصول کو پیش نظر رکھنا چاہئے، ورنہ اس سے تعلیمی نظام متاثر ہوگا اور ذمہ داران خیانت کے مرتکب ہوں گے۔

## مزدور اور ملازمین کا کام چوری کرنا

جو شخص کسی کا مزدور یا ملازم ہو اسے چاہیے کہ مالک اور ذمہ دار سامنے ہو یا نہ ہو، مکمل دیانتداری کے ساتھ کام کرے، نہ تو وقت میں کمی کرے اور نہ کام میں سستی اور نہ ہی اپنی صلاحیت کو استعمال کرنے سے گریز کرے، ان تینوں میں سے کچھ پایا گیا تو خیانت شمار ہوگی، اس لیے کہ ایک ملازم کی صلاحیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے تنخواہ طے ہوتی ہے، اگر اس نے کام کرنے میں پوری صلاحیت صرف نہ کی اور کسی بھی وجہ سے دلچسپی لیے بغیر محض ظاہری طور پر کام کردیا تو کام میں وہ معنویت پیدا نہیں ہوگی جو ذمہ دار کو مطلوب تھی، اس لیے وہ تنخواہ بھی مشکوک ہوجائے گی اور خیانت کا بھی گناہ ہوگا۔ اسی طرح اگر مزدور و ملازم سے پانچ چھ گھنٹے کام کرنے کا وقت طے ہوجائے اور پھر کام کرنے والا وقت میں چوری کرے، وقت کے بعد آئے یا متعین وقت سے پہلے چلا جائے تو یہ بھی خیانت ہے، ایک مسلمان ملازم، جو کائنات کے مالک کو سمیع و بصیر سمجھتا ہے اور اس پر پورا یقین رکھتا ہے، اسے احساس ہونا چاہیے کہ اگرچہ میرا مجازی مالک اور ذمہ دار مجھے نہیں دیکھ رہا ہے، لیکن رب تو مجھے دیکھ رہا ہے، اس کی گرفت سے جو بچ گیا وہی کامیاب اور فلاح پانے والا ہے، اسی طرح کام میں سستی اور ٹال مٹول کرنا بھی خیانت ہے، وہ کام جو پانچ گھنٹے میں ہوسکتا ہے اس کو دس گھنٹے میں مکمل کرنا، تاکہ مزید پیسے ملتے رہیں اور اس کے معاش کا مسئلہ حل ہوتا رہے، یہ بری سوچ اور ناپسندیدہ عمل ہے، امانتداری کا تقاضا ہے کہ مکمل تندہی سے کام کو انجام دیا جائے پورا وقت اور پوری طاقت اس کے لیے صرف کی جائے، ورنہ وہ مالک کے ساتھ خیانت کرنے کا مرتکب ہوگا اور اس کا بھی حساب روز محشر میں دینا ہوگا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدین کے سفر میں دو لڑکیوں کی بکریوں کے پینے کے لیے پانی بھردیا تو ان دونوں نے واپس جاکر اپنے بزرگ باپ سے ان کی تعریف کی اور کہا کہ یہ بڑے امانت دار اور طاقت ور ہیں، ان کو اپنے گھر میں ملازم رکھ لیجیے۔ قرآن نے اس کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

(یٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۖ اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ۔ (قصص:26)

"اے میرے ابا! ان کو مزدور رکھ لیجیے، اچھا مزدور وہ ہے جو طاقتور اور امانتدار ہو۔"

اس آیت میں جہاں ملازم اور مزدور

کے اوصاف کی طرف راہ نمائی کی گئی ہے وہیں اس بات کی طرف بھی اشارہ موجود ہے کہ مزدور امین ہوتا ہے، اسے کام کرتے ہوئے اپنی امانتداری کا مکمل ثبوت دینا چاہیے، اس سے خود اس کی زندگی خوشگوار ہوگی اور غیب سے اس کے رزق کے لیے بہتر انتظام کیا جائے گا۔

## خاص مجالس کی بات کو عام کرنا

چند لوگ کسی جگہ بیٹھ کر باتیں کریں اور پھر علاحدہ ہوجائیں تو اس مجلس کی تمام باتیں ہر ایک کے لیے امانت ہیں، کسی کے لیے جائز نہیں کہ اجازت اور رضامندی کے بغیر ان باتوں کو دوسروں کے سامنے نقل کرے اور انہیں پھیلانے کی کوشش کرے، اس لیے کہ مجلس میں بہت سی راز کی باتیں ہوتی ہیں، بولنے والا بسا اوقات یہ چاہتا ہے کہ اس کے ان منصوبوں اور خیالات سے موجود افراد کے علاوہ دوسرے واقف نہ ہوں، اسے دہراز میں رکھنا چاہئے، ممکن ہے کہ اس کی باتوں کو پھیلا دیا جائے تو اس کو ذاتی نقصان ہو یا ملازمت اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے، شریعت نے بھی اس کا لحاظ رکھا ہے اور مسلمانوں کو ہدایت دی ہے کہ کسی بھی راز کو راز میں رکھیں، اس کو پھیلانے کی سعی نہ کریں، ہاں! البتہ کوئی راز ایسا معلوم ہوجائے جس کا تعلق فتنہ اور فساد سے ہو، جس سے دوسروں کا نقصان ہوسکتا ہے تو اس کو بتا دینا چاہئے، پھر ایسی مجلسوں کی باتوں کو محفوظ رکھنا جائز نہیں، بلکہ واجب اور ضروری ہے کہ دوسرے شرکاء اس کو عام کردیں۔

چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے: "**المجالس بالامانة الا ثلثة مجالس: سفك دم حرام، او فرج حرام، او اقتطاع مال بغير حق.**" (سنن ابوداؤد 4869) یعنی مجلسیں امانت ہیں، مگر تین موقعوں پر، کسی کے ناحق قتل، یا آبروریزی کی یا کسی کا مال ناجائز طور پر لے لینے کی سازش ہو تو متعلقہ لوگوں کو اس سے آگاہ کردیا جائے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مجلسی بات کا تعلق جب تک کسی کی ایذا رسانی، حق تلفی یا نقصان پہنچانے سے نہ ہو، اس کی حفاظت مجلس کے شرکاء پر ضروری ہے، اسے امانت سمجھ کر اپنے دل میں دفن کردینا چاہیے، بالخصوص وہ باتیں جن کے بارے میں محسوس ہو کہ متکلم اسے مجلس تک ہی محدود رکھنا چاہتا ہے، لیکن اگر مجلس میں ہونے والی باتوں کا تعلق راز سے نہ ہو، بلکہ عام باتیں ہوں، جیسے دینی وشرعی مسائل، قرآن وحدیث کی باتیں، تاریخ وسیرت کی گفتگو وغیرہ تو ان باتوں کو عام کرنا اور لوگوں تک پہنچانا مستحب ہے، اس لیے کہ ان باتوں کو کوئی چھپانا نہیں چاہتا اور نہ اس کے عام کرنے سے کسی کو تکلیف ہوتی ہے۔

## غلط مشورہ دینا

مشورہ جب کسی سے لیا جاتا ہے تو وہ اس کے حق میں امین ہوتا ہے، اسے چاہیے کہ وہی مشورہ دے جس میں اس کے علم کے مطابق مشورہ لینے والے کی خیر وفلاح مضمر ہو۔ دل میں جو بات آئے کسی ذہنی تحفظ کے بغیر صاف صاف کہہ دے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کے مشورہ لینے پر ارشاد فرمایا: "**المستشار مؤتمن**" (ترمذی 2823) "جس سے مشورہ چاہا جائے وہ امانت دار ہے۔"

مشورہ لینے والا اپنا خیر خواہ سمجھ کر کسی سے مشورہ طلب کرتا ہے، اب اگر وہ ذاتی حسد اور عناد کی بنیاد پر ایسا مشورہ دے جس میں اس کے لیے نقصان ہو تو گویا اس نے مشورہ طلب کرنے والے کو دھوکہ دیا اور اس کے ساتھ خیانت کا معاملہ کیا، کیونکہ اس نے اپنے علم ودانست کے خلاف مشورہ دیا ہے، کسی ایک شخص کو اگر کسی سے دشمنی وعداوت ہو یا کسی بنیاد پر آپس میں رنجش کا ماحول ہو اور اتفاق سے ایک نے دوسرے سے کسی بابت مشورہ طلب کرلیا، تو اسے اخلاص دل سے محبت کے ساتھ صحیح صحیح مشورہ دینا چاہیے اور اپنا دل صاف کرلینا چاہئے، اس لیے کہ مشورہ لینے کا مطلب اس نے اسے اپنا ہمدرد اور خیر خواہ تسلیم کرلیا ہے اور جب

ایک شخص دوستی کا ہاتھ بڑھائے تو اخلاق و انسانیت کا تقاضا ہے کہ دوسرا بھی تواضع کی پلکیں بچھادے اور محبت کا بدلہ محبت سے دینے کا فیصلہ کرے اور اگر دل میں نفرت اس قدر ہو کہ بھلائی اس کے حق میں سوچ نہیں سکتا تو پھر مشورہ دینے سے صاف انکار کردے، لیکن اگر کدورت اور عداوت کے سبب غلط مشورہ دیا، تو وہ ہلاک ہوجائے یا اسے پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے تو یہ معصیت کا ارتکاب ہوگا، قیامت کے دن اس کا حساب دینا ہوگا۔

## کسی کا راز ظاہر کرنا

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اذا حدث الرجل الحدیث، ثم التفت فھی امانۃ۔" (تذمری 1959)

"جب ایک شخص کوئی بات کہے اور چلا جائے تو یہ بھی امانت ہے۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص نے آپ سے کوئی ایسی بات کہی جس کو وہ دوسروں سے چھپانا چاہتا ہے، آپ پر اعتماد کرتے ہوئے اس نے اپنے دل کے خیانت کا اظہار کیا، تاکہ آپ کوئی مشورہ دے سکیں یا اس کے دکھ درد میں کام آئیں، تو آپ کے لیے اس کی یہ بات امانت کے درجے میں ہے، اپنی ذات تک اسے محدود رکھیں، دوسروں کو بتانا جائز نہیں، اس سے اس کے اعتماد کو ٹھیس پہنچے گی اور تکلیف کا احساس ہوگا، بسا اوقات انسان دوستی اور تعلقات کی بنیاد پر کسی سے کچھ کہہ دیتا ہے اور اسے یقین ہوجاتا ہے کہ میرا یہ راز اس کے سینے میں محفوظ رہے گا، مگر دوسرا شخص اس کا خیال نہیں کرتا، بالخصوص جب دونوں میں کسی وجہ سے دوستی رنجش میں تبدیل ہوجاتی ہے، تو اس کے سارے راز دوسروں کے سامنے اُگل دیتا ہے، تاکہ اس کی تحقیر ہو اور لوگ اسے برا بھلا کہیں، یہ نہایت برا عمل اور نیچ حرکت ہے، اس سے خدا ناراض ہوتا ہے اور نہ معلوم خدا کی کون سی ناراضگی ہلاکت کا سبب بن جائے۔

اس طرح میاں بیوی کے درمیان جو بات ہوتی ہے وہ بھی امانت ہے، ان میں سے ہر ایک دوسرے کے لیے لباس ہے، لباس بدن کے عیوب اور راز کی چیزوں کو چھپاتا ہے، اسی طرح زوجین کو چاہیے کہ وہ باہمی گفتگو اور قابل اخفاء چیزوں کو پردے میں رکھیں اور کسی بھی حال میں دوسرے کے سامنے ظاہر نہ کریں، چنانچہ حضرت ابوسعیدؓ کی روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ان من اعظم الأمانۃ عند اللہ یوم القیامۃ الرجل یفضی الی امرأتہ، و تفضی الیہ، ثم ینشر سرھا۔" (صحیح مسلم 1437،124)

"قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے بڑی امانت قابل مواخذہ ہے کہ انسان اپنی بیوی کے پاس جائے اور بیوی اس سے لطف اندوز ہو اور پھر شوہر عورت کے راز کو دوسروں کے سامنے ظاہر کردے۔"

راز تو بہرحال راز ہوتا ہے، وہ خواہ میاں بیوی کے درمیان ہو یا دو دوست اور دو ساتھیوں کے درمیان، اسے چھپانے کی شریعت نے تاکید کی ہے۔ شریعت کا مزاج یہ ہے کہ جہاں تک ہوسکے لوگوں کے عیوب کی پردہ پوشی کی جائے، کسی کی عزت سے کھلواڑ نہ کیا جائے اور نہ کسی کو ایذا دی جائے اور راز کے اظہار میں ان میں سے کسی کا ارتکاب ضرور ہوتا ہے، اس لیے یہ ممنوع اور ناپسندیدہ ہے۔

## حق تلفی کرنا

ایک شخص کسی کو بطور امانت رکھنے کوئی چیز دے اور وہ بھول جائے یا اسے یاد تو ہو مگر اس کے پاس کوئی شہادت نہیں ہے، یہ نازک گھڑی ہوتی ہے، اس میں امانت کا مال لینے والے کے ایمان کا امتحان ہے، وہ اللہ کی گرفت پر یقین رکھتے ہوئے مال واپس کردیتا ہے یا اس کا حق دبا کر اپنی آخرت کو تباہ کرلیتا ہے، اگر اس نے مال واپس نہ کیا تو یہ حق تلفی ہے اور اس پر سخت وعید آئی ہے، روز محشر اس کا حساب دینا ہوگا۔

جس طرح مادی حق کی ادائیگی سے پہلو تہی حق تلفی ہے، اسی طرح بعض حقوق ایسے ہوتے ہیں جو مادی تو نہیں ہیں، لیکن شریعت نے انہیں حق اور امانت سے تعبیر کیا ہے، ان کی ادائیگی ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے، جیسے میاں بیوی کے باہمی حقوق۔ ایک شخص جب کسی عورت کو اپنے نکاح میں لیتا ہے تو اس پر عورت کے کچھ حقوق عائد ہوتے ہیں، اسی طرح زوجیت میں آنے کے بعد عورت سے بھی شوہر کے کچھ حقوق وابستہ ہوجاتے ہیں، یہ حقوق امانت کے درجے میں ہیں، ان کی ادائیگی میں ٹال مٹول یا کمی وکوتاہی کرنا حق تلفی اور خیانت ہے، جو ان کے لیے جائز نہیں، والدین اور اولاد کے باہمی حقوق بھی امانت ہیں، اس میں کمی وکوتاہی خیانت ہے اور موجب گناہ ہے، اسی طرح استاذ اور شاگرد کے درمیان کے حقوق بھی امانت کے درجے میں ہیں، شاگرد کو چاہیے کہ اپنے استاذ کی خدمت، عزت و احترام اور ان کا ادب کریں تو استاذ کو بھی چاہیے کہ وہ پوری امانت داری کے ساتھ اپنے شاگرد کو علمی غذا فراہم کریں، خود کتاب کا مطالعہ کریں اور پوری محنت سے علمی صلاحیت ان میں منتقل کرنے کی کوشش کریں، اس میں کچھ خامی خیانت کے دائرے میں داخل ہے۔

حاکموں اور رعایا کے درمیان باہمی حقوق کا بھی یہی حکم ہے، جس طرح عوام پر حکومت کے اصول وقوانین کی پاسداری ضروری ہے اسی طرح حکمرانوں کے ذمہ یہ بات لازم ہے کہ ممکن حد تک عوام کو سہولت فراہم کریں، ان کی ضروریات کا خاص خیال رکھیں، اقتدار کے ذمہ دار نے وسعت کے باوجود اگر رعایا کے حوق ادا نہ کئے تو گویا اس نے خیانت کی، جس کا اسے ضرور حساب دینا ہوگا، اس طرح کی بہت سی مثالیں ہیں، جن کا تعلق ایسے حقوق سے ہے جو مادی نہیں ہیں، لیکن وہ بھی حق تلفی اور خیانت کے دائرے میں آتے ہیں اور اس کا بھی وہی حکم ہے، جو مال میں خیانت کرنے کا ہے۔

## ناانصافی کرنا

قاضی، حاکم اور تمام فیصلہ کرنے والوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ معاملہ کے حقائق تک پہنچنے کی کوشش کریں اور پوری دیانتداری کے ساتھ فریقین کے دلائل کی سماعت کریں، بھر قوت دلائل کی بنیاد پر فیصلہ کریں، اس میں قرابت، خاندان، قوم، علاقہ اور مذہب ومسلک وغیرہ کو ہرگز دخل نہ دیں، اگر فیصلہ کرنے والے نے کسی ذہنی تحفظ کو پیش نظر رکھتے ہوئے فیصلہ کیا تو گویا اس نے خیانت کی اور بڑے گناہ کا ارتکاب کیا، اس لیے کہ قاضی حاکم وغیرہ اپنے ماتحتوں کے حق میں امین ہوتا ہے، امانتداری کا انہیں پورا پورا پاس ولحاظ رکھنا چاہیے۔ گاؤں دیہات وغیرہ کے سرپنچ کا بھی یہ حکم ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی شخص دو لوگوں کے درمیان بھی کسی بارے میں فیصل بنایا جائے تو وہ بھی امین ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر رکھ کر اور اپنی گرفت کا احساس کرتے ہوئے اسے صحیح صحیح فیصلہ کرنا چاہئے، کسی کی جانب داری اس کے لیے باعث ہلاکت ہے۔

ان ساری تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ امانت کا دائرہ صرف روپے، پیسے، جائیداد اور مال ومنال تک محدود نہیں، بلکہ ہر مالی، قانونی اور اخلاقی امانت تک وسیع ہے، عام طور پر امانت کا لفظ بولنے سے لوگوں کا ذہن مالی امانت کی طرف جاتا ہے اور اسی امانت کی ادائیگی کو کافی سمجھا جاتا ہے، جب کہ امانت داری کے مفہوم میں کافی وسعت ہے، اسی وسیع تر مفہوم میں مسلمانوں کا عمل ہونا چاہیے۔ آج بہت سے فسادات، لڑائی، جھگڑے اسی امانت داری کے نہ ہونے کی وجہ سے پیش آتے ہیں۔ اگر مالی، قانونی، اخلاقی اور تمام طرح کی دیانت کو ملحوظ رکھا جائے تو معاشرہ میں امن، چین اور سکون ہوگا، بہتر سماج کی تشکیل عمل میں آئے گی اور لوگ خیانت کے گناہ اور آخرت کی گرفت سے بچ سکیں گے۔

□□□

ڈاکٹر ساجد خاکوانی

# انسانی غلامی کا ماضی اور حال

ایک طویل زمانے سے غلامی کے مہیب سائے انسان کے ساتھ لگے ہیں، انسانی تہذیب عروج سے جانب زوال ہو یا زوال سے عروج کی طرف گامزن ہو، غلامی ہمیشہ اسی کے ہم رکاب رہی ہے۔ کیسی ہی تہذیب ہو اور کسی بھی نوعیت کا تمدن ہو طوق انسان کے گلے کا زیور، ہتھکڑیاں انسانی کلائیوں کی تقدیر اور بیڑیاں بنی آدم کے قدموں کا مقدر رہے ہیں۔ اگرچہ جانوروں کو بھی اسی طرح ہانکا جاتا ہے لیکن ان کی نکیل کسی اور نوع کے ہاتھ نے تھامی ہوتی ہے لیکن یہ منظر آسمان ہمیشہ سے دیکھتا رہا ہے کہ انسان کے گلے میں بندھی رسی کا دوسرا سرا کسی انسان ہی کے ہاتھ میں رہا اور اس کی بولی لگانے والے انسان ہی تھے اور انسانی آقاؤں کی نسلوں کے ساتھ ان کے غلام بھی غلام ابن غلام ہی بنتے رہے۔

رومی تہذیب نے دنیا کی تاریخ میں ایک نام پیدا کیا ہے، آج تک اس کی باقیات پر تحقیقات و تدریسات جاری ہیں لیکن غلامی کے میدان میں رومی تہذیب بھی ننگ انسانیت ہے جب کہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ سلطنت روم میں غلاموں کو کئی کئی دنوں کے بھوکے بھیڑیوں اور دیگر درندوں کے سامنے ڈال دیا جاتا تھا اور پھر اس غلام کے چیر پھاڑ کا تماشا کرتے ہوئے شرابوں کے گل چھرے اڑائے جاتے اور نظارہ کرنے والے کہتے کہ آج تو بڑا ہی مزا آیا ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ غلاموں کے دو گروہوں کو چھریاں، بھالے، تلواریں اور تیر و نیزے پکڑا کر ایک سیٹی بجانے والا منہ میں انگلیاں ڈال کر سیٹی بجاتا اور انسانوں کے یہ دو گروہ باہم دست و گریبان ہو جاتے ایک دوسرے کو چیرتے، پھاڑتے، ہتھیاروں سے زخمی کرتے، لہولہان کرتے اور جب یہ اندوہناک خون آشام کھیل ختم ہوتا تو گویا آقاؤں کی صفت تفریح کو آسودگی حاصل ہو چکتی۔ غلاموں کی منڈیاں لگائی جاتیں، ان کی صحت اور فن کے حساب سے ان کی قیمت متعین ہوتی، لونڈیوں کی قیمت ان کے حسن و جمال اور شباب و نسوانیت کے مطابق ہوتی اور ایک بار جو غلامی کی گرداب میں آن پھنستا پھر نسلوں تک اس کی خلاصی ممکن نہ تھی۔ بازار میں بک گئے تو دوسرا آقا گلے میں رسی ڈال کر چلتا بنا اور جب وہ راہی ملک عدم ہوا تو اس کی اولاد نے اس انسانی متاع کو بطور وراثت بانٹ لیا۔ غلاموں سے جو چاہا کام لیا، جو چاہا سلوک کیا، جیسے چاہا ان پر تشدد کیا اس وقت کا کوئی قانون آقا کو کسی ضابطے کا پابند نہ بناتا تھا۔ غلام کی جان، مال، عزت اور آبرو کچھ بھی اس کا اپنا نہ تھا حتیٰ کہ اس کی اولاد اور اس کے ایمان کا مالک بھی اس کا آقا ہی تھا جس کی مرضی کے بغیر وہ اپنے عقائد بھی تبدیل کرنے کا مجاز نہ تھا۔

لونڈیوں کی حالت اس سے بھی بدتر تھی، جوانی میں ان کی کمائی کھائی جاتی۔ ان کی نسوانیت کو نوچا جاتا، انسانی درندے بھنبھوڑتے، جھنجھوڑتے اور حیوانی تسکین کا سامان کرتے اور اس کے عوض ملنے والی اس کی اولاد کو اس کا آقا اپنی ملکیت میں شامل کر کے منڈی میں اس کا بھاؤ لگا کر اس لونڈی کو مامتا تک سے محروم کر دیتا، گویا یہ انسانوں کی منڈیاں نہیں بلکہ انسانیت کی منڈیاں تھیں، اور خرید و فروخت کرنے والے انسانوں کے بھیس میں درندوں سے چار قدم آگے نکلے ہوئے وحشت و بربریت کے مکروہ کردار تھے کہ جنہیں تاریخ نے بادل نخواستہ اپنے صفحات میں محفوظ کیا ہے۔ یہ عجائبات تاریخ میں سے ہے کہ جب کبھی کسی قوم کے پاس غلاموں کی تعداد

کسی وجہ سے کم پڑ جاتی تو وہ غلاموں کی تلاش میں دوسری اقوام پر دھاوا بول دیتی، بغیر کسی وجہ کے یہ چڑھائی لازمی طور پر کسی کمزور قوم پر کی جاتی اور پھر ان کے قبائل کو رسیوں میں باندھ کر ہانکتے پکارتے ہوئے ان آزاد لوگوں کو غلامی کے اندھیرے غار میں صدیوں تک ڈھکیل دیا جاتا۔ ان کی تقسیم اس طرح عمل میں آتی کہ خوبصورت عورتیں اور صحت مند نوجوانوں کو فاتحین کے سرداران آپس میں بانٹ لیتے اور بچا کھچا مال لشکریوں کے حصے میں آتا۔ گویا جس طرح ایک درندہ کسی جانور کا شکار کر کے تو بہترین گوشت کھالیتا ہے اور باقی ماندہ جنگل کے کمزور جانوروں کے حصے میں آجاتا ہے۔

غلامی کا یہ عمل اس قدر وسعت پذیر تھا کہ دور قدیم میں غلامی کو ایک معاشی ستون کی اہمیت حاصل ہو چکی تھی۔ جس قوم کے پاس جتنے زیادہ غلام ہوتے اس کی فصلیں اتنی ہی سرسبز و شاداب اور ان کا رقبہ اتنا ہی زیادہ وسیع ہوتا۔ صحت مند غلاموں کی حامل قوموں کا مال دور دراز کی منڈیوں میں بکتا اور وہ خوب خوب منافع کماتی تھیں۔ صنعت کے میدان میں بھی آج قدیم تاریخی عمارات جن کا تعلق مشرق سے ہے یا مغرب سے سب کی سب غلاموں کے ہاتھوں سے تعمیر شدہ ہیں اور اسی طرح دفاع کا شعبہ بھی مضبوط غلاموں کا مرہون منت تھا، بڑی اور طاقتور فوج تعداد میں زیادہ اور جسم میں مضبوط غلاموں پر منحصر تھی اور ظاہر ہے دنیا تو طاقت کی زبان سمجھتی ہے زیادہ غلاموں والے دنیا کے اقتدار اختیار اور خزانوں کے مالک بنتے۔

صورتحال اپنی پوری شدت کے ساتھ جاری و ساری تھی کہ جب طلوع اسلام کا وقت آن پہنچا۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی تاریخ میں پہلی مرتبہ آقاؤں کے لئے قوانین جاری کیے اور انہیں نافذ کیا۔ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا کہ کثرت سے غلاموں کو آزاد کیا جائے۔ چنانچہ شریعت نے ہر غلطی کے ازالے کے لیے جسے اصطلاح میں ''کفارہ'' کہا جاتا ہے غلاموں کو آزاد کرنے کی قانون سازی کی۔ چنانچہ حکم دیا کہ قسم توڑنے پر غلام آزاد کرو، بیوی کے ساتھ ظہار کیا ہے تو غلام آزاد کرو، روزہ توڑ دیا ہے تو غلام آزاد کرو اور قرآن نے اللہ تعالیٰ کی محبت میں غلاموں کی آزادی کا درس دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت عثمان بن عفانؓ جب محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر بلاتے تو قدم مبارک گنا کرتے تھے، استفسار پر عرض کرتے کہ اتنے ہی غلام آزاد کروں گا۔ گویا ایک مقابلہ شروع ہو گیا کہ کون زیادہ غلاموں کو آزاد کر کے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب حاصل کرتا ہے۔ آقا سے اولاد والی لونڈی کی فروخت پر پابندی لگادی گئی اور ایسی لونڈی کے وراثت میں اجراء کو بھی قانوناً ممنوع قرار دے دیا گیا، چنانچہ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق اولاد والی لونڈی آقا کے مرنے کے بعد خود بخود سے آزاد ہو جاتی ہے۔ تاریخ انسانی میں سب سے پہلے یہ قانون جاری کیا کہ جو غلام اپنے آقا کو اپنی قیمت ادا کر دے وہ آزاد تصور ہوگا ایسے غلام کو ''مکاتب'' کا نام دیا گیا۔ خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قانون کو نہ صرف یہ کہ بزور ریاست جاری کیا بلکہ بیت المال سے ایسے غلاموں کی مالی اعانت بھی کی تاکہ وہ اپنے آقا کو ایک معقول رقم دے کر آزادی حاصل کر سکیں۔ غلاموں کے حقوق مقرر کیے، ان کے قیام و طعام اور نان نفقہ کی ذمہ داریوں کا تعین کیا۔ جو غلام گلیوں میں بھیک مانگتا ہوا اور کسمپرسی کی حالت میں ملتا حضرت عمرؓ اس کے آقا کو بلوا کر اس کی سرزنش کرتے اور حکم دیتے کہ اس کے حقوق ادا کرو یا پھر اسے آزاد کرو۔ لوگ حیران ہوتے تھے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اور ان کے غلام نے ایک قسم کا لباس زیب تن کیا ہوتا، حضرت جس تھان سے اپنے لیے کپڑا کٹواتے غلام کے لیے بھی اسی تھان سے کپڑا خریدتے تھے۔ اسلامی تاریخ میں ایک طویل فہرست ہے ان غلاموں کی جنہوں نے علم و ادب اور سیاست میں نام پیدا کیا۔

یہ اسلامی نظام کے انسانی اثرات تھے کہ ہندوستان میں غلاموں کے ایک خاندان ''خاندان غلامان'' اور مصر میں اسی طرح کے ''خاندان مملوک'' نے حکومت کی۔ گویا ماضی میں اپنے بنیادی انسانی حقوق تک سے محروم غلاموں کے طبقے میں اسلامی تعلیمات نے اس قدر اعتماد پیدا کیا کہ وہ مسند اقتدار تک آن پہنچے۔ خاندان غلاماں ہندوستان میں ایک بادشاہ کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا یا کوئی اور رشتہ دار تخت نشین نہ ہوتا بلکہ عمائدین سلطنت مل کر بیٹھتے اور کسی اہل اور قابل تر فرد کو یہ باگ سونپی جاتی۔ خاندان غلاماں کے بادشاہوں کے تاریخ ساز واقعات آج تک زبان زد عام وخاص ہیں۔ اسلام پوری دنیا میں پہنچا، کسی نے قبول کیا اور کسی نے نہ کیا۔ پوری دنیا میں قرآن وحدیث کی عربی گئی لیکن عربی غلامی نے کسی جگہ اپنا مقام نہ پایا۔ مفتوح اقوام اگرچہ آقاؤں کا بھیس پسند کرتی ہیں لیکن دور فاروقی میں جب اہل ایران نے عربی زبان اور عربی لباس کو رواج دینا شروع کیا تو حضرت عمرؓ نے سختی سے منع کردیا۔ چنانچہ اسلامی تعلیمات پوری دنیا اور اس کرۂ ارض کے ہر خطے اور سمندر کے ہر جزیرے میں پہنچیں لیکن عربی تہذیب وتمدن کو کہیں جگہ نہ ملی سوائے جزیرۃ العرب کے۔ آج بھی تعلیمات اسلامیہ کے ماہرین اپنا مقامی لباس زیب تن کرتے ہیں اور علاقائی ومعاشرتی شعائر کے تحت زندگی گزارتے ہیں۔

مسلمانوں نے کم وبیش ایک ہزار سال تک اس دنیا میں مشرق سے مغرب تک حکومت کی اس دوران غلامی کی زنجیریں کٹتی چلی گئیں اور اگر کہیں کٹ نہ سکیں تو اس قدر ڈھیلی پڑ گئیں کہ آقا اور غلام ایک ہی صف میں نظر آنے لگے گویا آقا اور غلام کے معنی ہی بدل گئے۔ ان ایک ہزار سالوں میں بڑی قوموں نے چھوٹی قوموں پر خواہ وہ غیر مذہب سے ہی متعلق تھیں اپنا ناجائز تسلط نہیں جمایا، انہیں اپنا غلام نہیں بنایا، اپنی تہذیب وثقافت ان پر مسلط نہیں کی، انہیں اپنا تعلیمی وتکنیکی محتاج نہیں کیا، انہیں اپنے حق دفاع سے محروم نہیں کیا۔ ان ایک ہزار سالوں میں کوئی جنگ عظیم نہیں ہوئی، باپ کے مرنے کے بعد پرامن انتقال اقتدار ہوتا اور اگلا بادشاہ تخت نشین ہوجاتا، کبھی انقلاب آئے بھی تو دو خاندانوں کے درمیان چند سو انسانوں کی قربانی سے راستہ صاف ہوگیا، اس دور کی تاریخ لاکھوں شہریوں کے قتل سے آنے والے کسی انقلاب سے خالی ہے۔ ایک ہزار سالہ دور میں مقتدر مسلمان اقوام نے محکوم اقوام کے محروم طبقات کو حقوق کے نام باہم نہیں لڑایا، کمرشل ازم کے نام پر نوخیز بچیوں کی مسکراہٹ کو اپنے کاروبار کی وسعت کا ذریعہ نہیں بنایا، عورتوں کے حقوق کے نام پر ان کی شرم انگیز آزادی سے آلودہ معاشرہ اس دورانیے میں کہیں نظر نہیں آتا اور نہ ہی جانوروں، پرندوں، چوپایوں اور درختوں تک کی افزائش نسل کرنے والا انسان اس پورے دور میں کہیں اپنی ہی نسل سے بیزار نظر آتا ہے۔

کم وبیش گزشتہ تین سو سالوں سے مسلمانوں کے روبہ زوال ہونے سے سیکولر مغربی تہذیب نے دنیا میں اپنے جھنڈے گاڑے ہیں۔ آج تین صدیوں کے بعد دنیا میں دیکھنے سے یہ واضح طور پر محسوس ہوتا ہے کہ گویا زمانہ قدیم کی غلامی ایک بار پھر اپنے نئے رنگ وروپ کے ساتھ آن موجود ہوئی ہے۔ فرق صرف ایک ہے کہ ماضی کے غلام احساس غلامی سے عاری نہ تھے اور اپنے آپ کو غلام سمجھتے تھے لیکن آج اس سیکولر یورپی تہذیب کے غلام اس قدر غلامی میں ڈوب چکے ہیں کہ گویا غلامی کو غلامی ہی نہیں سمجھتے۔ ''گلوبل ویلیج'' دراصل گلوبل غلامی کا دوسرا نام ہے۔ یورپ کے سیکولرازم نے پوری دنیا سے اس کا لباس چھین لیا ہے، پوری دنیا سے اس کی مقامی زبان چھین لی ہے، پوری دنیا سے ان کا مقامی تمدن اور علاقائی تہذیب چھین لی ہے۔ آج ٹیلی ویژن چینل کے کیمرے ڈھونڈتے اور تلاش کرتے پھرتے ہیں کہ کہیں کوئی پرانی تہذیب کے آثار ملیں اور اسے وہ قیمتی اثاثہ بنا کر پوری دنیا کو دکھائیں گویا ایک تہذیبی و

ثقافتی غلامی ہے جس کے مظاہر پوری دنیا میں نظر آتے ہیں۔ سیکولر اہل مغرب صرف اسی انسان کو مہذب مانتے ہیں جو ان کا لباس پہنے اور ان کی زبان میں بات کرے، ٹوپی، پگڑی، لاچہ کھلی شلوار قمیص یا کوئی علاقائی و مقامی لباس ان کے لیے غیر مہذب لوگوں کا لباس ہے۔

تعلیمی غلامی اس سیکولر یورپ کا ایک اور شاخسانہ ہے، آج آزاد ممالک زیر عتاب ہیں کہ صرف ایسا نصاب پڑھایا جائے جو نوجوان کو سیکولر مغرب کا ذہنی غلام بنائے، ایسا نصاب تعلیم جو علاقائی، مقامی یا مذہبی بیداری کا سبب بنے ان کے لیے ناقابل قبول ہے۔ ماضی کے حکمران آہنی یلغار سے دوسری اقوام میں سے اپنے غلام تلاش کرتی تھیں آج سیکولرازم کی تعلیمی اور تدریسی یلغار سے غلام تیار کیے گئے لیکن عربی تہذیب نہیں پہنچی لیکن مقام فکر ہے کہ سیکولر انگریزی تعلیم نے معیار تعلیم کتنا دیا؟ یہ نوشتہ دیوار ہے جو چاہے پڑھ لے لیکن غلامی کے شعائر بدرجہ اتم منتقل کیے۔ آج منہ ٹیڑھا کر کے انگریزی بولنا اور انگریزی لباس پہننا ہی گویا پڑھے لکھے ہونے کی علامت ہے۔ ماضی میں جس طرح معاشی نظام کا ایک بہت بڑا عنصر غلامی تھی، آج بھی بڑے بڑے عالمی مالیاتی اداروں کے ذریعے سیکولر مغرب نے پوری دنیا کو اپنا معاشی غلام بنا رکھا ہے، دنیا کی کوئی قوم سود سے آزاد نہیں ہے اور قرضوں کے بوجھ تلے دبی ہوئی سسکتی انسانیت مجبور ہے کہ اس معاشی غلامی کے طوق اپنی اور اپنی نسلوں کی گردنوں میں ڈالتی چلی جائے کہ اس کے سوا بالکل ماضی کی مانند کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔ ماضی میں صرف افراد کو ہتھیا کر اپنی منڈی لے جا کر فروخت کر دیتے تھے آج کا سیکولر مغرب دیگر ممالک کے جنگلات، ان کی فصلیں اور بیمہ کے نام پر ان کی زندگیاں تک اپنے نام کر کے انہیں ان کی ملکیت سے محروم کر چکا ہے۔

ماضی میں جس طرح غلاموں کو حق دفاع حاصل نہیں تھا آج کا یورپی سیکولرازم بھی چھوٹی قوموں کو ان کے اس پیدائشی حق سے محروم کرتا چلا جا رہا ہے۔ خود ایٹم بم برسانے والے دوسروں سے کہتے ہیں کہ تم چونکہ اس کا غلط استعمال کرو گے اس لیے اسے ترک کر دو، خود دنیا کی سب سے بڑی فوج رکھنے والے دوسروں سے کہتے ہیں کہ اپنی فوج کی تعداد کم کرو، خود دنیا کا تباہ کن اسلحہ رکھنے والے دوسروں سے کہتے ہیں کہ تمہیں اس کا حق حاصل نہیں ہے، کیمیائی ہتھیاروں کے موجد دوسری قوموں پر اس لیے چڑھ دوڑتے ہیں کہ شاید ان کے پاس ایسے ہتھیار موجود ہوں اور کیا آسمان نے ایسا وقت بھی کبھی دیکھا ہوگا کہ ہزاروں میل دور دوسرے ملکوں میں شہروں کو ادھیڑنے والے اور دریاؤں میں پانی کے بجائے انسانی خون بہانے والے سیکولر فوجی امن پسند ہیں اور اپنے ہی ملک، قوم، علاقہ اور ایمان کا دفاع کرنے والے دہشت گرد ہیں۔

ماضی کی غلامی اس لحاظ سے شاید بہتر تھی غداروں کی پرورش تو نہ کرتی تھی، آج کا سیکولر مغرب قوموں میں سے چن چن کر غدار تلاش کرتا ہے انہیں دھونس، دھاندلی اور لالچ سے استعمال کرتا ہے اور پھر ٹشو پیپر کی مانند انہیں کوڑے کے ڈھیر میں پھینک دیتا ہے۔ ماضی کی غلامی نے جنسیت کی خاطر عورت کو اس کی مامتا سے محروم کیا تھا آج کا سیکولرازم اس سے ہزار گنا زیادہ ننگ مامتا ہے۔ انسانیت کا راگ الاپتی اس سیکولر تہذیب نے انسان پر انسان کے بچے کو بوجھ بنا دیا ہے، عورت کو آزادی اور حقوق کے نام پر اس کی ذمہ داریوں میں تخفیف تو نہیں کی البتہ اس کے ذمہ مردوں والے کام لگا کر اس کا فطری جوہر خاص اس کی نسوانیت سے اسے محروم کر دیا ہے۔ ہیرے موتیوں جیسی نوخیز خوبصورت اور زمانے کی فریب کاریوں سے نابلد بچیاں فیکٹری پروڈکٹس اٹھائے گھر گھر بیچتی ہیں یا سارا سارا دن دفتر میں گزارنے کے باوجود بغل میں فائلوں کا ڈھیر دبائے اسٹاپ پر شام کے وقت میں گھر جانے کے لیے ویگن کا انتظار کرتی ہیں۔

(بقیہ.....صفحہ.....۳۰.....پر)

مولانا فضل الرحیم

# مسواک۔ حقیقت، فضیلت

"عن عائشه رضی الله عنها قالت: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: السواك مطهرة للفم، مرضلة للرب" (رواه الشافعی و احمد والدارمی والنسائی)

ترجمہ: "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مسواک منہ کی پاکی کا سبب ہے، پروردگار کی خوشنودی کا باعث ہے۔"

لفظ "سواک" (سین کی زیر کے ساتھ) عربی زبان میں مایدلک بہ الاسنان (وہ لکڑی جس سے دانتوں کو رگڑا جائے) کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ ساک یسوک سوکا سے ماخوذ ہے، یعنی مسواک سے رگڑنا۔ عربی زبان میں لفظ "سواک" معنی مصدری (مسواک کرنا) اور آلہ (مسواک) دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ البتہ اردو زبان میں مصدری معنی ادا کرنے کے لیے "مسواک کرنا" کہتے ہیں اور دانت رگڑنے کے آلہ کے لیے لفظ "مسواک" استعمال کرتے ہیں۔ جو کہ عربی گرامر کے اعتبار سے اسم الہ کا صیغہ ہے۔ لفظ سواک سے جب آلہ (مسواک) مراد ہوگا اس وقت اس کی جمع سوک ائے گی، جیسے کتاب کی جمع کتب۔ عربی الغات میں اس لفظ کی تفصیل میں لکھتے ہیں کہ لفظ سواک ماخوذ ہے۔ تساوکت الابل سے۔ جب کہ اونٹ ضعف کی وجہ سے بہت آہستہ اور نرم چال سے چل رہے ہوں۔ لہٰذا اس میں اس بات کی طرح اشارہ ہوا کہ مسواک نرمی سے کرنا چاہئے۔

فقہی اصطلاح میں سواک کہتے ہیں لکڑی وغیرہ استعمال کرنا، تاکہ دانتوں کی گندگی اور پیلاپن دور ہوجائے۔ افضل یہ ہے کہ مسواک کسی کڑوے درخت کی ہو۔ افضل مسواک اراک یعنی پیلو کی ہے۔ اس کے بعد زیتون کی مسواک ہے۔ یہ دستیاب نہ ہوں تو کسی بھی درخت کی شاخ یا جڑ بطور مسواک استعمال کی جاسکتی ہے۔

ائمہ اربعہ اس بات پر متفق ہیں کہ مسواک کرنا سنت ہے۔ لیکن اس بارے میں اختلاف ہے کہ مسواک کرنا وضو کی سنت ہے یا نماز کے لیے سنت ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک سنن وضو اور سنن صلوٰۃ دونوں میں سے ہے۔ بعض حضرات جب حج اور عمرہ کے لیے جاتے ہیں تو وہاں اہل عرب کو دیکھتے ہیں کہ وہ نماز میں شامل ہوں سے پہلے، بلکہ کبھی کبھی صف میں کھڑے کھڑے مسواک کرتے ہیں، تو وہ حیرت سے بعد میں سوال کرتے ہیں، اس کی وجہ یہی ہے کہ شافعی اور حنبلی حضرات کے نزدیک مسواک کرنا مستقل طور پر نماز کی بھی سنت ہے۔ البتہ احناف کے نزدیک مشہور قول کے مطابق صرف وضو کی سنتوں میں سے ہے۔ نماز کی سنتوں میں سے نہیں ہے۔ لیکن ایک قول ہمارے ہاں بھی موجود ہے، جیسا کہ شیخ ابن الہمام نے لکھا ہے کہ مسواک کرنا پانچ اوقات میں مستحب ہے۔

1- عند اصفرار الاسنان (جب دانت پیلے ہوجائیں)

2- عند تغیر الرائحه (جب منہ میں بو پیدا ہوجائے)

3- عند القیام من النوم (نیند سے بیدار ہوتے وقت)

4- عند القیام الی الصلوٰۃ (نماز کے لیے کھڑے ہوتے وقت)

5- عند الوضوء (وضو کے وقت)

لہٰذا اس قول کی بنا پر احناف کے نزدیک مسواک کرنا وضو کے وقت سنت موکدہ ہے اور نماز کے وقت سنت غیر موکدہ، مستحب ہے اور مالکیہ کے نزدیک بھی

مسواک کرنا وضو کی سنت ہے۔ لیکن وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر وضو اور نماز کے درمیان کافی زیادہ وقت کا فاصلہ ہو تو پھر نماز کے وقت بھی مسواک کرنا سنت ہے اور اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ روایات میں مختلف الفاظ آرہے ہیں، لہٰذا احناف علماء نے یہی لکھا ہے کہ اگر نماز سے تھوڑی دیر پہلے وضو کیا ہو تو پھر وضو میں مسواک کرنا کافی ہے اور اگر وضو کیے ہوئے کافی دیر ہو چکی ہے تو پھر نماز کے وقت صرف مسواک کرلی جائے تو بہتر ہے، تاکہ تمام احادیث پر عمل ہو جائے۔

اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسواک کی بہت فضیلت ارشاد فرمائی ہے۔ نسائی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد نبوی مروی ہے کہ مسواک سے منہ کی پاکیزگی اور صفائی حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے اور مسند احمد کی روایت میں ہے "**صلوٰۃ بسواك افضل من سبعين صلوٰۃ بغير سواك**" یعنی "وہ ایک نماز جو مسواک کرکے پڑھی جائے ان ستر نمازوں سے بہتر ہے جو بغیر مسواک پڑھی جائے۔"

علامہ بن القیم اس قدر بڑی فضیلت کی حکمت تحریر فرماتے ہیں کہ مسواک کرکے نماز پڑھنا اہتمام پر دلالت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو بندہ سے عبادات میں اہتمام ہی مطلوب ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسواک کو فطری عبادات میں شمار فرمایا ہے۔

مسواک کے خواص کے سلسلہ میں ملا علی قاری نے بعض علماء سے مسواک کے ستر فوائد نقل کئے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں: "**ادناها تذكر الشهادتين عند الموت**" یعنی مسواک کا ادنیٰ فائدہ یہ ہے کہ موت کے وقت کلمہ شہادت یاد آجاتا ہے۔ علامہ شامی نے بھی یہی بات لکھی ہے، لیکن انہوں نے ادناہا کے بجائے "اعلاھا" لکھا ہے، یعنی یہ سب سے بڑا فائدہ ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ارشاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم منقول ہے کہ "اگر میں مسلمانوں کے حق میں مشقت محسوس نہ کرتا اور مجھے مشقت کا ڈر نہ ہوتا تو میں ان کے لیے ہر نماز کے وقت مسواک کو ضروری قرار دیتا۔" ابوسلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے زید بن خالد الجہنیؓ کو دیکھا کہ جس وقت وہ مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھے تھے تو مسواک ان کے کان کے پیچھے اس طرح لگی رہتی جس طرح لکھنے والے کے کان کے پیچھے قلم رکھا رہتا ہے۔ (جیسا کہ ہمارے معاشرے میں مستری، بڑھئی وغیرہ کان کے پیچھے پنسل لگائے رکھتے ہیں) چنانچہ زید بن خالد جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو ان کے پیچھے سے مسواک نکال کر مسواک کرتے، اس روایت سے صحابہ کرام کے ہاں مسواک کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

مسواک کی کیفیت اور مسائل کے بارے میں مستقل کتابیں بھی لکھی گئی ہیں، جن میں شیخ احمد الزاہد کی "تحفۃ السلاک فی فضائل السواک" کی تصنیف قابل ذکر ہے اور متفرق طور پر مسواک کی کیفیت مسائل کا ذکر تفصیلاً کتب فقہ میں موجود ہے۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ مسواک سیدھی ہو، گرودار نہ ہو۔ کم از کم چار انگلی لمبی ہو اور زیادہ سے زیادہ ایک بالشت لمبی ہو، مگر باریک ہو۔ پہلے ایک مرتبہ کلی کرلیں۔ پھر مسواک کو دھو کر دائیں ہاتھ میں اس طرح پکڑیں کہ درمیانی تین انگلیاں مسواک کے اوپر چھنگلیا (سب سے چھوٹی انگلی) نیچے اور انگوٹھا مسواک کے نیچے اور منہ کے سامنے آجائے۔ مسواک دانتوں کی چوڑائی میں (دائیں بائیں) کریں۔ لمبائی میں نہ کریں۔ (جدید میڈیکل سائنس میں دانتوں کے معالج بھی مریضوں کو تلقین کرتے ہیں کہ برش یا مسواک دانتوں پر اس طرح رگڑیں کہ مسوڑھے زخمی نہ ہوں) پہلے دائیں طرف، پھر سامنے کے دانتوں میں، پھر بائیں طرف، اسی طرح اندر کی طرف۔ تین دفعہ مسواک کرنا اور ہر دفعہ مسواک کو دھو لینا مسنون ہے، اگر وقت کم ہو تو ایک دفعہ بھی کرسکتے ہیں۔ علامہ طحطاوی حاشیہ علی مراقی الفلاح، ص:38 میں لکھتے ہیں کہ لیٹ کر مسواک کرنا یا مٹھی سے پکڑ کر مسواک نہیں کرنی چاہئے۔ درمختار وغیرہ میں لکھا ہے کہ مسواک چوسنا، فراغت کے بعد دھو کر نہ رکھنا، مسواک کو کھڑا کرکے نہ

رکھنا، الٹی کر کے رکھنا اور کسی دوسرے کی مسواک کرنا منع ہے۔

یہاں جب یہ کہا جائے کہ دوسرے کی مسواک کرنا منع ہے تو یہاں بلا اجازت دوسرے کی مسواک کرنا مراد ہے۔ اگر دوسرا اجازت دے تو پھر جائز ہے، جیسا کہ ابوداؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسواک فرما رہے تھے اور آپ کے پاس دو شخص حاضر تھے تو آپ نے ان کو اپنی مسواک کرنے کے لیے دی تھی۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسواک زبان پر بھی کرنی چاہئے، جس سے زبان بھی صاف ہو جائے گی۔ جیسا کہ حضرت حذیفہؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو بیدار ہوتے تو مسواک کے ذریعہ اپنے منہ کو صاف کرتے تھے۔

جدید دور میں برش، منجن، پیسٹ کے بارے میں سوال ابھرتا ہے کہ کیا یہ مسواک کا بدل ہو سکتا ہے۔ تو اس کا واضح جواب یہ ہے کہ مسواک کا فائدہ، یعنی دانتوں کی صفائی تو یقیناً برش سے حاصل ہو سکتی ہے، لیکن سنت اسی وقت ادا ہوگی جب مسواک لکڑی کی ہو اور اسی کیفیت میں ہو جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔

اس لیے برش، سنت مسواک کے قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ اس جواب کو تنگ نظری یا دقیانوسیت پر محمول نہ کیا جائے، اس لیے کہ نشتر میڈیکل کالج ملتان کے پروفیسر آف میڈیسن ڈاکٹر نور احمد نور اپنے تحقیق مقالہ ''دین فطرت'' میں لکھتے ہیں کہ ''یورپ میں اب اس بات پر ریسرچ ہو رہی ہے کہ دانتوں کی صفائی اور صحت کے لئے بہترین مسواک کون سی ہے؟ کیونکہ وہاں کے ماہرین کا اس بات پر اتفاق ہو چکا ہے کہ مسواک کا ریشہ اب تک دریافت ہونے والے ریشوں میں سے دانتوں کے لیے بہترین اور موزوں ترین ہے۔''

صاحب مراقی الفلاح نے ص:38 میں حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ، حضرت عطاؒ سے مسواک کے بہت سے فضائل تحریر فرمائے ہیں۔ جن میں سے چند ایک یہ ہیں، اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہوتی ہے، نماز کے ثواب میں اضافہ ہوتا ہے، رزق میں اضافہ، بینائی میں اضافہ، معدہ کی درستگی، بدن کی طاقت، فصاحت میں اضافہ، یادداشت اور حافظہ میں اضافہ، ہضم طعام میں معاون اور اب جدید سائنس میں بھی دانتوں کی صفائی کو بہت سی بیماریوں سے بچاؤ کا طریقہ قرار دیا گیا ہے۔

لیکن ایک مسلمان تو صرف اسی لیے مسواک کرے گا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ پھر اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ اس کو دنیا و آخرت کے فیوض و برکات بھی ضرور نصیب فرمائے گا۔

□□□

## بقیہ انسانی غلامی کا ماضی اور حال

زندگی کے جس بہترین وقت پر ان کی اگلی نسل، ان کے شوہر اور ان کے خاندان کا حق تھا اس سیکولرازم نے کمال چابکدستی سے دوہری تلوار کے ذریعے عورت، مامتا، نسل اور خاندان سب کو سود کی ادائیگی کا ایندھن بنا کر معیار زندگی کی بڑھوتری کے دہکتے تنور میں جھونک دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے غلامی کو فرد کی حد تک محدود کر کے اس کے اختتام کی جانب گامزن کر دیا تھا اور یہ مسلمانوں کے ایک ہزار سالہ دور کا نتیجہ تھا کہ انسانیت مجبور ہوئی کہ جینوا ریکارڈ کے ذریعے انسانوں کی خرید و فروخت پر پابندی لگائی جائے لیکن ننگ انسانیت سیکولر تہذیب نے جمہوریت کے نام پر افراد کو آزادی کا جھانسہ دے کر پوری کی پوری اقوام کو اپنا غلام بنا لیا ہے، ان کی فکر، ان کے مادی و انسانی وسائل اور ان کا عقیدہ و ایمان بھی اب اس نئے فریب آزادی میں لپٹے ہوئے دور غلامی سے محفوظ نہیں۔ اس نیلی چھت کے نیچے اور اس زمین کے سینے پر صرف ایک دستاویز ہی انسانوں کو ان کے حقیقی حقوق عطا کر سکتی ہے اور وہ خاتم النبیین رحمۃ للعالمین محسن انسانیت، داور محشر، امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ حجۃ الوداع ہے۔

□□□

شیخ صفات عالم مدنی

# خطبہ حجۃ الوداع پر ایک نظر

ہجرت کے دسویں سال اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے نکلے تاکہ ارکان اسلام کی عملی شکل میں تکمیل ہوجائے اور لوگ آپ سے مناسک حج کا طریقہ سیکھ لیں۔ اب تک لوگ آپ سے نماز روزہ اور زکوٰۃ کا طریقہ سیکھ چکے تھے اور حج کا طریقہ سیکھنا باقی تھا، چنانچہ ذی القعدہ میں اعلان کردیا گیا کہ امسال اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لئے نکلنے والے ہیں، یہ خبر پورے ملک میں پھیل گئی اور کیا صحرا کیا دیہات ہر طرف سے لوگ جوق در جوق مدینہ اکٹھا ہوگئے جن کی تعداد تقریباً ایک لاکھ چالیس ہزار تھی حالانکہ یہی وہ لوگ ہیں جو چند سال پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خون کے پیاسے تھے لیکن آج آپ کی صحبت میں حج کرنا اپنے لئے سعادت سمجھ رہے ہیں۔ 29 ذی القعدہ کو صحابہ کرام کا یہ عظیم قافلہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں مدینہ سے مکہ کے لیے روانہ ہوا اور نو دن میں پہنچ گیا۔

آج ذی الحجہ کی نویں تاریخ ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ہمراہ سورج ڈھلنے کے بعد مقام عرفہ میں پہنچ چکے ہیں، یہاں آپ نے ایک لاکھ چالیس ہزار اہل ایمان کے مجمع میں اپنی اونٹنی پر سوار ہوکر ایک خطبہ ارشاد فرمایا جسے ہم خطبہ حجۃ الوداع کے نام سے جانتے ہیں۔ اس مضمون میں ہم اسی خطبے پر ایک نظر ڈالنے کی کوشش کریں گے۔

محترم قارئین! خطبہ حجۃ الوداع اسلام کے انفرادی و اجتماعی اخلاقیات اور اصول شریعت کا ایک جامع نصب العین ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیئس سالہ جدوجہد کا حاصل اور اسلامی تعلیمات کا لب لباب ہے۔ اگر کوئی اسلام کا تعارف چاہتا ہے تو اس کے لئے اس خطبہ کا مطالعہ کافی ہے، اگر کوئی اسلام کی ترجمانی چاہتا ہے تو یہ خطبہ اس کے لئے رہبر ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خطبہ حجۃ الوداع حقوق انسانی کا عالمی منشور اور ہیومن چارٹر کی حیثیت رکھتا ہے۔ آج مغرب کا دعویٰ ہے کہ وہی حقوق انسان کے حقیقی علمبردار ہیں، کاش انہوں نے سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کیا ہوتا اور خطبہ حجۃ الوداع کے مشتملات پر غور کیا ہوتا تو انہیں پتہ چل جاتا کہ آج سے چودہ سو سال پہلے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی حقوق کا چارٹر نافذ کیا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد خطبے کی ابتداء یوں فرمائی: ”اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ یکتا ہے، کوئی اس کا ساجھی نہیں، خدا نے اپنا وعدہ پورا کیا، اس نے اپنے بندہ کی مدد فرمائی اور تنہا اسی کی ذات نے باطل کی ساری مجتمع قوتوں کو زیر کیا۔ لوگو! میری بات سنو! میں نہیں سمجھتا کہ آئندہ کبھی ہم اس طرح کسی مجلس میں یکجا ہوسکیں گے۔ (اور غالباً اس سال کے بعد میں حج نہ کرسکوں گا)۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے رنگ و نسل کی تفریق مٹاتے ہوئے فرمایا: لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”یا ایھا الناس انا خلقنا کم من ذکر و انثیٰ وجعلنا کم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔“ انسانو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں جماعتوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا کہ تم الگ الگ پہچانے جاسکو، تم میں زیادہ عزت و کرامت والا اللہ کی نظروں میں وہی ہے جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔

نہ کسی عرب کو عجمی پر کوئی فوقیت حاصل ہے اور نہ کسی عجمی کو کسی عرب پر، نہ کالا گورے سے افضل ہے اور نہ گورا کالے سے، ہاں بزرگی اور فضیلت کا کوئی معیار ہے تو وہ تقویٰ ہے۔ انسان سارے ہی آدم کی اولاد ہیں اور آدم کی حقیقت اس کے سوا کیا ہے کہ وہ مٹی سے بنائے گئے۔ اب فضیلت و برتری کے سارے دعوے میرے پاؤں تلے روندے جا چکے ہیں۔"

جان و مال اور عزت و آبرو کے احترام کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا: **ان دمائکم و اموالکم و اعراضکم علیکم حرام کحرمة یومکم هذا فی بلدکم هذا فی شهرکم هذا.** (بخاری) "یقیناً تمہارے خون، مال اور عزت آپس میں اس طرح قابل احترام ہیں جیسے تمہارا یہ دن، تمہارا یہ شہر اور تمہارا یہ مہینہ محترم ہے۔"

ان مختصر لیکن جامع کلمات میں جان کی حرمت کا اعلان کیا، مال کی حرمت کا اعلان کیا اور عزت و آبرو کی حرمت کا اعلان کیا۔ انسان کی جان اسلام کی نظر میں اس قدر محترم ہے کہ اس نے ایک انسان کے قتل ناحق کو ساری انسانیت کا قتل قرار دیا، خودکشی سے منع فرمایا اور اس کی سخت وعیدیں بیان کی، قاتل کے لیے یہ سزا متعین کی کہ اس کے بدلے قاتل کو قتل کیا جائے تاکہ سماج میں ایسے عناصر پنپنے نہ پائیں، اسلام نے جان کے احترام کی خاطر ایسی ان ساری چیزوں کو ناجائز ٹھہرایا جو انسانی جان کی ہلاکت و بربادی کا سبب بنتی ہوں جیسے شراب اور دیگر نشہ آور چیزوں کا استعمال وغیرہ۔

جان ہی کی طرح اسلام کے نزدیک مال کا بڑا احترام اور قدر و منزلت ہے، چنانچہ اسلام نے حصول مال کی ترغیب دی اور اس کی حفاظت کا حکم دیا، یہاں تک کہ اگر کوئی اس کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کر دیا جائے تو اسے شہادت کا درجہ دیا: "من قتل دون مالہ فھو شھید۔" (ترمذی) "جو اپنے مال کی حفاظت کے سلسلے میں قتل کر دیا جائے وہ شہید ہے۔"

صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اگر کوئی میرا مال مجھ سے زبردستی لینا چاہے تو میں کیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنا مال اس کے حوالے نہ کرو، اس نے کہا: اگر وہ مرنے مارنے پر آمادہ ہو جائے تو کیا کیا جائے؟ آپ نے فرمایا: مقابلہ کرو۔ اس نے کہا اگر وہ غالب آجائے اور مجھے قتل کر دے تو؟ آپ نے فرمایا: اس وقت تو شہید ہوگا۔ اسی طرح اسلام نے حصول مال کے ان سارے راستوں کو بند کر دیا جن سے کسی کی حق تلفی ہوتی ہو چنانچہ چوری، ڈکیتی، غصب، رشوت اور سود وغیرہ کے ذریعہ مال حاصل کرنے سے منع فرمایا اور اس کی سخت وعیدیں بیان فرمائیں۔

مال کے احترام ہی کی خاطر اسے غلط راستوں میں خرچ کرنے سے منع کیا اور ضرورت سے زیادہ خرچ کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا، ارشاد ربانی ہے: **ولا تبذر تبذیرا ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین.....** (بنی اسرائیل: 72) "اسراف اور بیجا خرچ سے بچو بیجا خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔"

عزت و آبرو کی حرمت پر بھی اسلام نے خاص دھیان دیا، جنس کو نہ بے لگام کیا کہ بہیمیت پیدا ہو جائے اور نہ ہی اس کا دروازہ بند کیا کہ رہبانیت آجائے بلکہ شادی کے پاکیزہ رشتے سے اسے جوڑ دیا۔ زنا جس سے عزت و آبرو نیلام ہو جاتا ہے اسلام نے نہ صرف اس پر روک لگایا بلکہ اس میں ملوث ہونے والوں کے لئے سخت سزا بھی متعین کی کہ اگر اس جرم کا ارتکاب شادی شدہ کرے تو اسے رجم کیا جائے اور غیر شادی شدہ کرے تو اسے سو کوڑے لگائے جائیں اور ایک سال کے لئے شہر بدر کر دیا جائے۔ عزت وعصمت کی حفاظت کی خاطر ہی اسلام نے اس شخص کی سزا اسی کوڑے متعین کیا جو کسی پاکدامن مرد یا عورت پر زنا کا الزام لگایا

پھر چار گواہ نہ پیش کر سکا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم جاہلی طور طریقوں پر تیشہ زنی کرتے ہوئے فرمایا کہ ''زمانہ جاہلیت کا سب کچھ میں نے اپنے پیروں سے روند دیا، زمانہ جاہلیت کے خون کے سارے انتقام اب کالعدم ہیں۔ پہلا انتقام جسے کالعدم قرار دیتا ہوں میرے اپنے خاندان کا ہے، ربیعہ بن الحارث کے دودھ پیتے بیٹے کا خون جسے بنو ہذیل نے مار ڈالا تھا اور جواب تک فیصلہ طلب تھا اب میں معاف کرتا ہوں۔

اسی طرح سودی کاروبار پر نقد کرتے ہوئے فرمایا کہ دور جاہلیت کا سود اب کوئی حیثیت نہیں رکھتا پہلا سود جسے میں ترک کرتا ہوں عباس بن عبدالمطلب کے خاندان کا سود ہے، اب یہ ختم ہوگیا۔

آج کے قانون ساز اور حکمراں جب قانون بناتے ہیں تو سب سے پہلے ان کی کوشش ہوتی ہے کہ اس سے اپنے قرابت داروں کو مستثنیٰ کرلیں لیکن ذرا نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا انصاف دیکھو کہ جب قانون بناتے ہیں تو سب سے پہلے اپنے خاندان کے لوگوں پر اسے نافذ کرتے ہیں۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرتی زندگی کے استحکام کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:

''دیکھو! عورتوں کے سلسلے میں اللہ کا ڈر رکھنا، کیونکہ تم نے انہیں اللہ تعالیٰ کی امان کے ساتھ حاصل کیا ہے، اور تم نے اللہ کے کلمہ کے ذریعہ ان کی عزت وناموس کو اپنے لئے حلال کیا ہے۔ اور عورتوں پر بھی تمہارا یہ حق ہے کہ وہ اپنے پاس کسی ایسے شخص کو نہ بلائیں جسے تم پسند نہیں کرتے اور وہ کوئی خیانت نہ کریں، کوئی کام کھلی بے حیائی کا نہ کریں اور اگر وہ ایسا کریں تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کی اجازت ہے کہ تم انہیں معمولی جسمانی سزا دو اور وہ باز آجائیں۔ اور ان کا تم پر یہ حق ہے کہ تم انہیں بھلائی کے ساتھ کھلاؤ اور پہناؤ۔''

ازدواجی زندگی ہی وہ اکائی ہے جس سے معاشرے کی تشکیل ہوتی ہے اگر یہاں اختلاف در آیا تو زندگی اجیرن بن جاتی ہے، خاندانی نظام درہم برہم ہوجاتا ہے اور بچوں پر بھی اس کے برے اثرات مرتب ہوتے ہیں، چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے میاں بیوی دونوں کے حقوق و فرائض بیان فرمایا تاکہ لوگ ان تعلیمات کی روشنی میں خوشگوار ازدواجی زندگی گذار سکیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امانت کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے فرمایا: **فمن کان عنده امانة فليؤدها الى من ائتمن عليها.**

''اگر کسی کے پاس امانت رکھوائی جائے تو وہ اس بات کا پابند ہے کہ امانت رکھوانے والے کو امانت پہنچادے۔'' کیا آپ نے سنا نہیں کہ ہجرت مدینہ کے موقع سے کفار قریش آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ناپاک ارادہ کئے، آپ کے گھر کی گھیرا بندی کرچکے ہیں اور سب تلواریں بے نیام کئے آپ کے نکلنے کا انتظار کررہے ہیں لیکن آپ کو ایسے کشیدہ حالات میں بھی امانت کی فکر ستارہی ہے۔ اور امانت بھی دشمنوں کی ہی تھی۔ ایک طرف دشمن خون کے پیاسے ہیں تو دوسری طرف آپ کو انہیں کی امانت کی فکر کھائے جارہے ہے، یہاں تک کہ اپنے چچازاد بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر سلاکر انہیں بتا دیتے ہیں کہ فلاں فلاں کی امانتیں ہمارے پاس ہیں انہیں صبح میں ان کے حوالے کردینا پھر وہاں سے نکلتے ہیں۔

اس کے علاوہ بھی آپ نے بہت ساری باتوں کی نصیحت فرمائی چنانچہ فرمایا:

''لوگو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، اپنے غلامون کا خیال رکھو، ہاں! غلاموں کا خیال رکھو، انہیں وہی کھلاؤ جو تم کھاتے ہو، ایسا ہی پہناؤ جیسا تم پہنتے ہو۔''

''لوگو! اللہ نے ہر حقدار کو اس کا حق خود دے دیا، اب کوئی کسی وارث کے حق کے لئے وصیت نہ کرے۔ بچہ اسی کی طرف منسوب کیا جائے گا جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا، اور جس پر حرام کاری ثابت ہو اس کی

سزا پتھر ہے۔ حساب و کتاب اللہ کے ہاں ہوگا، جو کوئی اپنا نسب بدلے گا، اس پر خدا کی لعنت ہے۔"

"قرض قابل ادائیگی ہے، عاریتاً لی ہوئی چیز واپس کرنی چاہئے، تحفے کا بدلہ دینا چاہئے اور جو کوئی کسی کا ضامن بنے وہ تاوان ادا کرے۔" "کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے کچھ لے، سوائے اس کے جس پر اس کا بھائی راضی ہو اور خوشی خوشی دے۔ خود پر اور ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرو۔"

اس کے بعد آپ نے امت محمدیہ یعنی صحابہ کرامؓ کے سامنے وہ لائحہ عمل پیش کیا جس پر کاربند ہو کر وہ دنیا و آخرت دونوں میں سربلند و سرخرو ہو سکتے ہیں چنانچہ آپ نے فرمایا: **وقد تركت فيكم ما لن تضلوا بعده، ان اعتصمتم به كتاب الله.**

"میں تمہارے درمیان ایک چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ تم کبھی گمراہ نہ ہو سکو گے، اگر اس پر قائم رہے اور وہ اللہ کی کتاب ہے۔" "اور ہاں! دیکھو دینی معاملات میں غلو سے بچنا کہ تم سے پہلے کے لوگ انہیں باتوں کے سبب ہلاک کر دیئے گئے۔"

"شیطان کو اب اس بات کی کوئی توقع نہیں رہ گئی ہے کہ اب اس کی اس شہر میں عبادت کی جائے گی، لیکن اس کا امکان ہے کہ ایسے معاملات میں جنہیں تم کم اہمیت دیتے ہو اس کی بات مان لی جائے اور وہ اسی پر راضی ہے اس لئے تم اس سے اپنے دین و ایمان کی حفاظت کرنا۔" "لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو، پانچ وقت کی نماز ادا کرو، مہینے بھر کے روزے رکھو، اپنے مالوں کی زکوٰۃ خوشدلی کے ساتھ دیتے رہو، اپنے رب کے گھر کا حج کرو اور اپنے اہل امر کی اطاعت کرو تو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔"

"اب مجرم خود ہی اپنے جرم کا ذمہ دار ہوگا اور اب نہ باپ کے بدلے بیٹا پکڑا جائے گا، نہ بیٹے کا بدلہ باپ سے لیا جائے گا۔ سنو! جو لوگ یہاں موجود ہیں انہیں چاہئے کہ یہ احکام اور یہ باتیں ان لوگوں کو بتا دیں جو یہاں نہیں ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی غیر موجود تم سے زیادہ سمجھنے اور محفوظ رکھنے والا ہو۔"

خطبے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **"وانتم تسألون عني فما أنتم قائلون؟"** لوگو! تم سے میرے بارے میں پروردگار کے ہاں سوال کیا جائے گا، بتاؤ تم کیا جواب دو گے؟ لوگوں نے جواب دیا: **"نشهد أنك قد بلغت و أديت و نصحت"** ہم اس بات کی شہادت دیں گے کہ آپ نے امانت (دین) پہنچا دی، اور آپ نے حق رسالت ادا فرما دیا، اور ہماری خیر خواہی فرمائی۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشت شہادت آسمان کی طرف اٹھائی اور لوگوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ فرمایا: **اللهم اشهد، اللهم اشهد، اللهم اشهد،** اے اللہ گواہ رہنا، اے اللہ گواہ رہنا، اے اللہ گواہ رہنا۔

□□□


# ضروری اعلان

محترم قارئین کرام!

جن لوگوں کو دفتر کی جانب سے بقایاجات کے خطوط روانہ کئے گئے ہیں، ان سے گذارش ہے کہ جلد از جلد بقایا رقم ادا فرما دیں، اس وقت ادارے کو رقم کی سخت ضرورت ہے نیز اگر رسالہ جاری رکھنے کا ارادہ نہ ہو، مطلع کر دیں تاکہ ادارے کا مزید نقصان نہ ہو۔

جو حضرات دفتر سے معلومات حاصل کرنا چاہتے ہوں وہ ۲/ بجے سے شام ۵/ بجے تک فون پر رابطہ کر سکتے ہیں۔ جمعہ کے دن دفتر بند رہتا ہے۔

دفتر کھلنے کا وقت ۲/ بجے سے ۵/ بجے تک ہے، دیگر اوقات میں فون نہ کریں۔

رابطہ کیلئے: Mobile : 9415911511

فقہی مسائل

مفتی راشد حسین ندوی

# سوال وجواب

س: نماز عشاء کا تہائی رات کے بعد جماعت سے ادا کرنا کیسا ہے؟

ج: جماعت کی جو فضیلت احکام اور تفصیلات تہائی رات سے پہلے کے ہیں وہی تہائی رات کے بعد کے بھی ہیں، یہ فرق ضرور ہے کہ عشاء کی نماز کا تہائی رات تک مؤخر کرنا مستحب ہے، تہائی رات سے نصف رات تک مؤخر کرنا جائز ہے اور نصف رات سے فجر تک مکروہ ہے۔ (شامی/270-271)

س: سود کے پیسوں کا مسجد یا مدرسہ کی تعمیر میں لگوانا یا کسی نیک کام میں خرچ کرنے کا کیا حکم ہے؟

ج: سود کے پیسوں سے مدرسہ یا مسجد کی تعمیر نہیں کی جاسکتی، اس کو کسی غریب پر صرف کردیا جائے (بلانیت ثواب) یا اس سے رفاہ عام کا کوئی کام کیا جائے مثلاً راستہ پل اور عام نالی وغیرہ جیسی چیزوں پر لگادیا جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ-9/267-268)

س: زید کی ایک فیکٹری ہے جس میں کچے کپڑوں کی صفائی دھلائی کا کام ہوتا ہے، پارٹیاں پروگرامنگ کرکے کپڑے دیتی ہیں، پھر فیکٹری کپڑوں کا لُک بدل کر کپڑے واپس کردیتی ہے اور مصارف کا بل دے دیتی ہے، یہ پارٹیاں بل کی ادائیگی فوراً نہیں کرتی ہیں قسط وار دیتی ہیں، اور کبھی تو پیسہ ڈبو بھی دیتی ہیں یہ گارنٹی نہیں ہے کہ جو بل بنا کر دیا گیا اس کا پیسہ مل ہی جائے، اب سوال یہ ہے کہ زکوٰۃ نکالتے وقت اس بقایا پیسوں کا بھی شمار کیا جائے گا؟ یا جب وہ ہاتھ میں آجائے تب اس کی زکوٰۃ نکالی جائے گی؟

ج: اگر زید کی فیکٹری کا کام صرف صفائی اور دھلائی ہے، تو اس کی اجرت جب زید کے ہاتھ آجائے تبھی حولان حول ہونے پر اس کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (پہلے سے صاحب نصاب ہیں تو پہلے سے موجود مال پر سال گزرنے پر، اور پہلے سے صاحب نصاب نہیں تھے تو مال ملنے کی تاریخ سے سال گزرنے پر) اور اگر فیکٹری میں صفائی دھلائی کے ساتھ ان کپڑوں پر کوئی ایسا کام بھی کیا جاتا ہے جس کے اثرات کپڑوں پر باقی رہتے ہیں جیسے رنگائی کڑھائی وغیرہ تو اگرچہ زید پر ان کی اجرت پر زکوٰۃ اسی وقت واجب ہوگی جب اجرت زید کے ہاتھ میں آجائے، لیکن جس تاریخ سے اس اجرت کا ثبوت ہوا تھا اسی وقت سے اس کی زکوٰۃ بھی زید کے ذمہ ہوگی۔ یعنی اگر پارٹیاں کئی سال کے بعد اجرت کی ادائیگی کریں تو بل دینے کے وقت سے جتنے سال گزرے ہوں ان سالوں کی زکوٰۃ بھی زید پر واجب ہوگی، اسی لئے اگر رقم کا ملنا یقینی ہو تو جب سے اجرت کا ثبوت ہوا سے اسی وقت سے اپنے بقیہ مال کے ساتھ اس اجرت کی زکوٰۃ بھی ادا کردینا ہی بہتر ہوگا، تاکہ کئی سال کی زکوٰۃ اکٹھا دینے سے بار محسوس نہ ہو۔ (شامی-2/38، 39، فتاویٰ قاضی خاں-1/250،251)

س: لڑکی سے جب اجازت لی جاتی ہے تو اکثر لڑکی روتی رہتی ہے، بولتی نہیں، تو خواتین اس پر زور دیتی ہیں کہ بولو، ہاں کہہ دو، ایسا کرنا کیسا ہے؟

ج: اگر کنواری لڑکی کا نکاح کیا جارہا ہے، اور اجازت لینے والا اس کا ولی (باپ بھائی وغیرہ) یا اس کا بھیجا ہوا شخص ہے تو اجازت لینے پر لڑکی خاموش رہے یا نارمل انداز میں روئے جس سے ناپسندیدگی کا اظہار نہ ہو رہا ہو، یا مسکرادے تو بس یہی کافی ہے، زبان سے بولنے پر زور دینے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن اگر لڑکی کی دوسری شادی ہے اور وہ شوہر دیدہ ہے، یا کنواری ہی ہے لیکن اجازت لینے والا نہ ولی ہے نہ اس کا بھیجا ہوا شخص ہے تو خاموشی اجازت کے لئے ناکافی ہے، اس صورت میں زبانی اجازت (یا اجازت پر دلالت کرنے والا کوئی فعل جیسے رخصتی کو خوشی سے قبول کرلینا وغیرہ) ضروری ہے۔ (شامی-2/324،327)

□□□

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

ادارہ

# اسلامی مساوات سے میں بہت خوش ہوا

جب عبداللہ صاحب سے میرا تعارف ہوا وہ اس وقت تقریباً 25 سال کے ہوں گے، وہ ہائی اسکول کی تعلیم ختم کرنے کے بعد امریکی آرمی میں بھرتی ہوگئے جہاں انہوں نے تھوڑا بہت ٹیکنیکل کام سیکھ لیا، اب وہ آرمی سے ریٹائر ہوکر فوٹو کاپی اور فیکس مشینوں کی اصلاح کا کام کرتے ہیں جس سے اپنا اور اپنے بیوی بچوں کا پیٹ پالتے ہیں۔

گو ان کا دائرہ اسلام میں داخل ہونے کا واقعہ بہت دلچسپ ہے لیکن ان کی اسلامی عمل وفکر میں ترقی کی روداد اس سے بھی زیادہ دلکش ہے اور ہم سب کے لئے مشعل راہ بھی۔

1990ء میں متحدہ افواج اور عراق کی جنگ کے دوران عبداللہ صاحب امریکی آرمی کے ساتھ سعودی عرب آئے، اور ایک دن کچھ ضروری اشیاء خریدنے بازار گئے، انہوں نے دکانداروں سے ایک چیز کی قیمت طے کی اور بس پیسے ادا کرنے کو ہی تھے کہ قریب کی مسجد سے اذان کی آواز آئی تو دکاندار نے پیسے لینے سے انکار کردیا اور صرف اتنا کہا: ''بس'' پھر فی الفور دکان بند کرکے مسجد چلا گیا، عبداللہ صاحب کا کہنا ہے کہ میں وہاں ہکا بکا کھڑا رہ گیا، یہ بات ذرا بھی سمجھ میں نہ آئی کہ جب میں نے اس چیز کے پیسے طے کرلئے تھے اور قیمت ادا کرنے کو ہی تھا تو اس دکاندار نے مجھ سے پیسے لینے سے انکار کیوں کیا؟ پیسے وصول کرنے کو تو ہر ایک کا دل چاہتا ہے، عبداللہ صاحب کا اپنی زندگی میں کسی ایسے شخص سے واسطہ نہیں پڑا تھا جو پیسوں کی وصولی میں بے اعتنائی برتے، بلکہ اس نے یہی دیکھا تھا کہ ہر شخص کسی نہ کسی طرح پیسے کی دوڑ میں سبقت لے جانا چاہتا ہے، اس لئے عبداللہ صاحب نے اس پہلو پر سوچنا شروع کیا کہ یہ مذہب کیسا ہے؟ مؤذن کی آواز سنتے ہی اس کے ماننے والے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مسجد کو روانہ ہوجاتے ہیں، اس مذہب کی ایسی ہی انوکھی چیزوں کا پتہ لگانا چاہئے، اس طرح سے عبداللہ صاحب کے دل میں اسلام کے بارے میں تجسس پیدا ہوا، جنگ کے بعد واپس آئے اور نیویارک کے علاقہ میں مقیم ہوئے، آہستہ آہستہ اسلام کے بارے میں مزید تفصیل حاصل کی، انہیں اللہ کی عبادت کا نظریہ بہت اچھا لگا، اور چونکہ عبداللہ صاحب کا تعلق ایک افریقی خاندان سے تھا، ان کا دل اسلام میں مساوات اور ایک دوسرے کے احترام سے بھی بہت خوش ہوا، عبداللہ صاحب اللہ کے فضل سے مسلمان ہوگئے، ان کی یہ خوش قسمتی تھی کہ انہیں اسی علاقے میں ایک بہت اچھے استاد مل گئے جنہوں نے انہیں نہ صرف بنیادی اسلامی تعلیم سے آراستہ کیا بلکہ انہیں قرآن پاک کی تلاوت صحیح قواعد اور لہجے کے ساتھ سکھائی۔

عبداللہ صاحب سے میرا تعلق اس وقت ہوا جب وہ آرمی کو چھوڑ کر کام کاج کے سلسلے میں نیویارک سے ڈیٹرائٹ منتقل ہوئے اور توحید سنٹر ڈیٹرائٹ میں اکثر نمازوں میں نظر آتے، اتفاق کی بات ہے کہ میں اس وقت اس مسجد کا اعزازی طور پر انچارج تھا، کسی مسجد یا دیگر مذہبی ادارے کا کام چلانا بہت مشکل کام ہوتا ہے آئے دن نئی مشکلات پیدا ہوتی رہتی ہیں، ان کا منصفانہ حق تلاش کرنا اور پھر اس کو لاگو کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں، میرے اور عبداللہ صاحب کے درمیان کئی بار کشیدگی ہوئی، ہم دونوں اپنے طور پر مخلص تھے لیکن سوچ میں قدرے فرق تھا، اللہ کے فضل کرم سے ہماری باہمی مشکلات بتدریج دور ہوگئیں، یہ امر دل وجان پر بہت ہی گراں

ہوتا ہے، انتہا درجہ کے صبر واستقامت کے بغیر اس امتحان میں کامیاب ہونا ناممکن ہے، آیئے اب آپ میری اور عبداللہ صاحب کی باہمی مشکلات کا جائزہ لیں:

چونکہ عبداللہ صاحب اکثر نمازیں اسی مسجد میں ادا کرتے تھے اس لئے میں چاہتا تھا کہ وہ مسجد کے بعض امور میں حصہ لیں، ایک دن میں نے ان سے درخواست کی کہ وہ اذان دیں عبداللہ صاحب کہنے لگے میں مسجد کے باہر شاہراہ پر کھڑا ہوکر اذان دوں گا، میں نے انہیں یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ ہم نے اس بلڈنگ میں مسجد قائم کرنے کے لئے قانونی طور پر لائسنس لے رکھی ہے اور اس سلسلہ میں ڈیٹرائٹ کی بلدیہ یہاں کی پبلک کے اعتراضات اور شکایات سننے والی ہے، اس لئے آپ مہربانی کر کے مسجد کے اندر ہی اذان دیں، عبداللہ صاحب نے میری بات کی ذرا پرواہ نہ کی اور باہر اذان دینے پر مصر رہے۔ ان حالات میں میں نے عبداللہ صاحب کو مخاطب ہوکر نہایت سنجیدگی سے کہا: آپ کو یہاں کی مشکلات کا بالکل ادراک نہیں مجھے یہاں کی پبلک اور ان کے وکیلوں کے علاوہ ڈیٹرائٹ کی بلدیہ مختلف محکموں کی قانونی کارروائی اور فائر ڈپارٹمنٹ کا سامنا کرنا ہوتا ہے، آپ لوگ یہاں آکر بس نماز پڑھ کر چلے جاتے ہیں، یوں بھی ہمیں غیر مسلم پڑوسیوں کو مشتعل نہیں کرنا چاہئے بلکہ اپنے مسلم بھائیوں کے ایمان کو تازہ کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، میرے اس لکچر کا عبداللہ صاحب پر قطعی اثر نہ ہوا اور وہ اپنی بات پر قائم رہے۔ مجبوراً میں نے ایک اور بھائی سے اذان کی درخواست کی، نماز پڑھ کر ہم سب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے، یہاں یہ ذکر بے جا نہ ہوگا کہ میرے محدود علم کے مطابق پورے امریکہ میں صرف ایک مسجد ایسی ہے جسے اپنا لاؤڈ اسپیکر مسجد سے باہر رکھنے کی اجازت ہے، اور یہ اجازت حاصل کرنے کے لئے مسجد کے منتظمین کو امریکی عدالت میں مقدمہ لڑنا پڑا، اور عدالت نے یہ فیصلہ مسلمانوں کے حق میں اس لئے دیا کہ مسجد کے اردگرد زیادہ تر مسلمان ہی بستے ہیں، یہ مسجد ڈیربارن، میشیگن (Dearborn, Michagan) میں واقع ہے۔

عبداللہ صاحب نے چاہا کہ وہ مسجد کی چابی مستقل طور پر اپنے پاس رکھیں، میں نے انہیں بتایا کہ مسجد نماز کے وقت کھلی رہتی ہے اس لئے زیادہ لوگوں کے پاس چابیاں رکھنا ضروری نہیں، کسی کی غلطی سے مسجد کے دروازے نماز کے بعد کھلے رہ سکتے ہیں اور یہ مسجد شاہراہ پر واقع ہے، چوری چکاری یا بم وغیرہ کی واردات ہوسکتی ہے، ہماری انشورنش کمپنی نے ہمیں تاکید کی ہے کہ چابیاں زیادہ لوگوں میں نہ بانٹیں، اگرچہ یہ بات نہایت معقول تھی لیکن عبداللہ صاحب کو اچھی نہ لگی۔

ابھی زیادہ دن بھی نہ گزرے تھے کہ عبداللہ صاحب نے مجھ سے اپنے ایک مہمان کو رات میں مسجد میں ٹھہرانے کی اجازت چاہی، میں نے انہیں منع کردیا، اور مزید یہ بھی کہا کہ آپ اپنے مہمان کو اپنے گھر کیوں نہیں ٹھہراتے؟ عبداللہ صاحب نے کہا: گھر میں میری بیوی ہے۔ میں نے کہا: آپ کے مہمان کو میں اپنے گھر میں ٹھہرا لیتا ہوں، انہوں نے فوراً کہا: کیا تمہارے گھر میں بیوی نہیں ہے؟ میں نے کہا: بیوی تو ہے پھر بھی میں مہمان کو ایک کمرے میں ٹھہرالوں گا، بصورت دیگر ہوٹل میں لے جاؤں گا اور رہائش کا کرایہ ادا کردوں گا، عبداللہ صاحب نے غصے میں وہاں سے چل دیئے کیونکہ وہ صرف اپنی ہی سوچ کے مطابق حل چاہتے تھے۔ عبداللہ صاحب نے بعد میں مجھ سے بتایا کہ انہوں نے میرے بارے میں کئی دوسری مساجد کے منتظمین سے شکایت کی تھی، جس کی عبداللہ صاحب مجھ سے معافی مانگنے لگے، میرے اور عبداللہ صاحب کے درمیان اس چپقلش کے باوجود مسجد میں باجماعت نمازیں ادا کرنے آتے رہے۔

عبداللہ صاحب نے قرآن پاک کی کئی سورتیں زبانی یاد کرلی تھیں اور ان کی تلاوت بھی بہت دلکش تھی، ایک دن میں نے ان سے کہا کہ وہ عشاء کی نماز پڑھایا کریں، وہ ہر روز نئی نئی سورتیں یاد کرتے۔ عبداللہ صاحب کو قرآن پاک سے بہت محبت تھی اور ہر نئی سورت اور بھی پیاری لگتی، وہ عشاء کی نماز میں نئی یاد کی ہوئی سورت ہی

تلاوت کرتے تھے، یہ قدرتی بات ہے کہ نئی یاد کی ہوئی سورت میں کوئی نہ کوئی غلطی ہوجاتی ہے، عبداللہ صاحب سے بھی غلطی ہوجاتی تھی، مقتدیوں کو یہ بات اچھی نہ لگی، میں نے مقتدیوں کے اس اعتراض کا ذکر عبداللہ صاحب سے کیا، اور ان سے درخواست کی کہ وہ صرف وہ سورتیں نماز میں پڑھیں جو پہلے کی یاد کی ہوئی ہوں اور خوب پکی یاد ہوں، علاوہ ازیں ایک دن قبل وہ اپنی منتخب سورت مجھے سنایا کریں تاکہ میں انہیں ان کی غلطیوں کی نشاندہی کروں، عبداللہ صاحب میری اس تجویز سے متفق ہوگئے اور ہماری روزانہ کی مختصر نشست سے عبداللہ صاحب کی تلاوت کی غلطیاں بالکل ختم ہوگئیں اور مقتدی اس تبدیلی سے بہت خوش ہوئے، اس باہمی عمل سے ہم دونوں کو بھی ایک دوسرے کے اخلاص وایثار کا احساس ہوا اور ہمارے دل اتنے صاف ہوئے کہ ہم دونوں قریب سی قریب تر ہوگئے۔

اب عبداللہ صاحب ایک نئی صورتِ حال سے دوچار ہوگئے، وہ بحیثیت امام عشاء کی نماز میں لمبی لمبی سورتیں پڑھتے کیونکہ انہیں قرآن پاک سے شغف تھا، ہر لمبی سورت کے بعد سورہ اخلاص پڑھتے جس سے نماز کچھ مزید لمبی ہوجاتی تھی، مثلاً ایک دن نماز میں تقریباً بیس منٹ لگے، مقتدی اعتراض کرنے لگے، میں نے عبداللہ صاحب کو یہ باتیں بتائیں تو وہ کہنے لگے: میں ان صحابہؓ کی طرح کرنا چاہتا ہوں جو بحیثیت امام ہر قرأت کے بعد سورۂ اخلاص پڑھتے تھے، میں نے کہا: جہاں تک مجھے یاد پڑھتا ہے کہ وہ صحابہ صرف ایک ہی رکعت میں ایسا کرتے تھے، عبداللہ صاحب نے فوراً کہا: میں نے ایک حدیث پڑھی ہے جس کے مطابق وہ دونوں رکعتوں میں قرأت کے بعد سورہ اخلاص پڑھتے تھے، اس لئے میں ویسے ہی کرنا چاہتا ہوں، قصہ مختصر ہم عبداللہ صاحب کی لمبی قرأت کو کم نہ کرسکے۔

ایک روز میں نے دیکھا کہ عبداللہ صاحب فجر کی سنتوں کے بعد مسجد کے فرش پر اپنی دائیں کروٹ لیٹے ہوئے تھے اور ان کا ایک ہاتھ سر کے نیچے تھا میں ان کی طبیعت کے بارے میں فکرمند ہوا تو میں نے ان کے قریب جاکر آہستہ سے پوچھا کہ خیریت تو ہے؟ کہنے لگے: میں بالکل ٹھیک ہوں صرف اس لئے لیٹا ہوں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی فجر کی سنتوں کے بعد تھوڑا سا آرام فرمایا کرتے تھے، حقیقت یہ ہے کہ عبداللہ صاحب جو کچھ قرآن و حدیث میں پڑھتے تھے اسپر بلاجھجک عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتے تھے۔

عبداللہ صاحب کی گھریلو زندگی قابل رشک تھی، ان کی بیوی اور بیوی کی بہن نے ان کی تبلیغ سے اسلام قبول کیا، اور ان کی بیوی کے کئی دوسرے رشتہ دار بھی انہیں کے ہاتھوں مسلمان ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت بچے عطا کئے، سب کی تلاوتِ قرآن بہت اچھی تھی، ان کا سب سے بڑا لڑکا تقریباً سات سال کا تھا اور اس نے کئی لمبی سورتیں یاد کرلی تھیں، اور وہ باقاعدگی سے باجماعت نماز ادا کرنے آتا تھا، یہاں تک کہ فجر کی نماز میں بھی موجود ہوتا، میں کسی اور شخص کو نہیں جانتا جو اپنے کمسن بچے کو سردی، برف اور طوفان وغیرہ میں بھی باجماعت نماز ادا کرنے مسجد کو لایا کرتا ہو، عبداللہ صاحب اپنے بیٹے کو نماز فجر کے بعد مسجد میں ہی قرآن پاک پڑھایا کرتے تھے۔ ان کے بیٹے کا رویہ اور اخلاق قابل ستائش تھا، اور اس کی تلاوت قرآن اپنے والد صاحب کی طرح ہی دلکش تھی، وہ ایک پختہ عمر کی شخص کی طرح نہایت معقولیت سے پیش آتا، میرے خیال میں وہ بڑا ہوکر انشاء اللہ ایک اعلیٰ امام اور خطیب بنے گا۔

عبداللہ صاحب کی انگریزی تو پہلے ہی اچھی تھی، اسلامی تعلیم وتربیت اور مسلسل کوشش اور جدوجہد سے وہ ایک عظیم واعظ بن گئے ان کے الفاظ زبان کی نوک سے نہیں بلکہ دل کی گہرائیوں سے نکلتے، میں نے انہیں ایک جمعہ کا خطبہ دینے کی پیشکش کی، تو انہوں نے کچھ تامل کے بعد اس شرط پر قبول کرلیا کہ وہ خطبہ لکھ کر پہلے مجھے سنائیں گے، انہوں نے توحید سنٹر ڈیٹرائٹ میں پہلا خطبہ دیا جو ماشاء اللہ بہت مؤثر تھا خطبہ کے بعد میں نے عبداللہ صاحب کے تعارف کے طور پر حاضرین کو مختصر طور پر بتایا کہ عبداللہ صاحب گلف کی جنگ کے دوران کیسے اسلام لائے اور یہ کہ ان کا بیٹا

کتنی باقاعدگی سے باجماعت نمازوں میں شرکت کرتا ہے، جمعہ کے بعد جب عبداللہ صاحب نے اپنے خطبہ کے بارے میں پوچھا تو میں نے کہا: آپ نے ماشاء اللہ بہت اچھا خطبہ دیا، اور وقت کی قید کو بھی خوب ملحوظ خاطر رکھا جب کہ اکثر خطیب یاد دہانی کے باوجود مقررہ وقت سے تجاوز کر جاتے ہیں، آپ کو اس کامیاب خطبہ کی مبارکباد پیش کرتا ہوں، اس کے بعد وہ گھر چلے گئے، عشاء سے پہلے ہمارے امام ام ہانی صاحب نے مجھ سے کہا کہ عبداللہ صاحب خاصے ناراض اور کبیدہ خاطر نظر آتے ہیں، میں نے پوچھا کیا وجہ ہے؟ امام صاحب کہنے لگے کہ آپ نے جمعہ کے دن ان کی موجودگی میں اُن کی تعریف کی، عبداللہ صاحب کہہ رہے تھے کہ ایک حدیث کے مطابق یہ ایسا ہی ہے جیسے اپنے کسی بھائی کا گلہ کاٹنا، میں نے ہانی صاحب سے کہا: تم لوگ صرف ایک حدیث کو سامنے رکھ کر نتیجہ نکال لیتے ہو، ایک اور حدیث کے مطابق ہر شخص کی عزت افزائی اور اکرام لازمی ہے جتنا کہ وہ اس کا مستحق ہو، حضرت شعیبؑ نے بھی اپنی قوم کو یہ بار بار تلقین کی کہ لوگوں کی عزت افزائی اور جملہ حقوق میں کمی مت کرو۔ "لا تبخسوا الناس اشیاء ھم۔" (شعراء 183) (اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو)۔

یہ آیت قرآن پاک میں ایک سے زائد جگہ آئی ہے، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں نے عبداللہ صاحب کے تعارف میں کسی رنگ آمیزی سے کام نہیں لیا، علاوہ ازیں سامعین کا یہ حق ہے کہ نئے خطیب کے بارے میں جان سکیں، عشاء کی نماز کے بعد میں نے یہ باتیں عبداللہ صاحب کی موجودگی میں دہرائیں تو وہ الحمدللہ کافی حد تک مطمئن نظر آئے۔ اس کے بعد عبداللہ صاحب کو نہ صرف اس مسجد میں ہر ماہ ایک خطبہ دینے کی مستقل ڈیوٹی مل گئی بلکہ توحید سینٹر فار مگنٹن بل میں بھی ہر ماہ ایک خطبہ دینا طے پایا، سچی بات تو یہ ہے کہ دونوں مساجد کے حاضرین و سامعین نے مجھے ذاتی طور پر کہا کہ انہیں عبداللہ صاحب کا خطبہ بہت پسند ہے ان کا مستقل طور پر بطورِ خطیب تعین کیا جائے، یہاں اس بات کا ذکر بے جا نہ ہوگا کہ جس جمعہ کو عبداللہ صاحب خطیب ہوتے ہیں تو چندہ و عطیات زیادہ وصول ہوتے ہیں۔

ایک ماہ کے بعد میں نے عبداللہ صاحب کے تعارف کے طور پر جمعہ کی نماز کے بعد نئے سامعین سے کہا کہ میں عبداللہ صاحب کی تعریف کے لئے نہیں کھڑا ہوا بلکہ سامعین کا حق ہے کہ ان کو خطیب کے بارے میں معلومات فراہم کی جائیں، تعارف کے بعد میں نے کہا: انشاء اللہ آپ ہر ماہ یہاں خطبہ دیا کریں گے۔

لیکن ذمہ داری اور اتھارٹی دونوں لازم و ملزوم ہیں، اس لئے میری غیر موجودگی میں امام ہانی صاحب اور نائب امام عبداللہ صاحب ہی مسجد کے انچارج ہیں، مختلف سوالات و معاملات کے لئے ان سے رابطہ کیا جائے، اللہ کے فضل سے یہ دونوں احباب اپنی اس ذمہ داری کو بغیر کسی اجرت کے سالہا سال سے بدرجۂ اتم ادا کر رہے ہیں، یاد رہے کہ امریکہ کی تیز رفتار زندگی میں مذہبی ذمہ داریوں کے علاوہ مسجد کو بروقت کھولنا، بند کرنا، صفائی اور مرمت وغیرہ کرنا آسان کام نہیں۔

اب عبداللہ صاحب کے پاس نہ صرف مسجد کی چابی ہے بلکہ وہ اس کے ہر طرح سے ذمہ دار بھی ہیں، ان کے فکر و عمل میں بھی کافی لچک آ گئی۔ اب وہ مسجد کے اندر ہی اذان دیتے ہیں اور اپنی پرانی روش اور سخت مزاجی پر مسکراتے ہیں۔

ایک دن فجر کی نماز کے بعد میں مسجد میں بیٹھا تلاوت کر رہا تھا تقریباً صلوٰۃ الضحیٰ (اشراق) کا وقت تھا کہ عبداللہ صاحب ایک اور امریکی مسلمان کے ہمراہ مسجد میں داخل ہوئے اور تحیۃ المسجد ادا کرنے کے بعض دعا سلام کی، انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ حج ادا کرنے کے بعد ابھی ڈیٹرائٹ پہنچے ہیں، میں نے اصرار کیا کہ میرے گھر ناشتہ کے لئے چلیں، عبداللہ صاحب نے کہا کہ وہ سفر سے سیدھے مسجد آئے ہیں ابھی گھر نہیں گئے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی جب سفر سے واپس لوٹتے تو پہلے مسجد تشریف لے جاتے تھے، میرے لئے یہ بہت بڑی یاد دہانی تھی، میں نے سوچا ہم

میں سے کتنے پیدائشی اور روایتی مسلمان ہیں جو اس سنت پر عمل کرتے ہیں۔

عبداللہ صاحب صرف نام کے عبداللہ اور مسلمان نہیں، بلکہ عملی طور پر سچے مسلمان اور اللہ کے بندے ہیں، اور ان کی سنتوں سے محبت اور قول وفعل کی یکسانیت کو دیکھ کر صحابہ کرامؓ کی یاد آنے لگتی ہے۔

عبداللہ صاحب کو عربی پڑھنے اور بولنے کا بہت شوق تھا، انہوں نے مقامی کالج میں داخلہ لے لیا اور ڈاکٹر علی سلیمان کے زیر سایہ عربی کی مزید تعلیم حاصل کی، اور وہ مشرق وسطیٰ کی نمازیوں سے عربی میں بات چیت کرتے ہیں۔

عبداللہ صاحب کثیر العیال اور قلیل المال ہیں، ان کی آمدنی بہت محدود ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی قناعت عطا فرمائی ہے کہ ان حالات میں بھی وہ سب اہل وعیال کو روزانہ دینی تعلیم دیتے اور خود بھی مزید سورتیں یاد کرتے رہتے ہیں، خطبات تیار کرتے ہیں، غیر مسلموں میں تبلیغ کر کے انہیں اسلام کی نعمت سے آگاہ فرماتے ہیں۔ ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

□□□

# رضوان کے سالانہ خریداروں سے گزارش

یہ بات آپ کے علم میں ہے کہ ماہنامہ رضوان کی اشاعت خالص تبلیغی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر کی جاتی ہے۔ کوئی تجارتی کاروباری مفاد اس اشاعت میں پیش نظر نہیں ہے۔ چنانچہ ۴۰ صفحات کے اس رسالے کی قیمت انتہائی کم (فی شمارہ صرف بیس روپے اور سالانہ خریداری -/200 روپے) ہے۔ ہمارے پیش نظر نفع بخش کاروبار نہیں بلکہ ہم اپنے وسائل میں رہتے ہوئے رضوان کے ذریعے بیش بہا مضامین شائع کرتے ہیں۔ اس ضمن میں رضوان کے سالانہ خریدار بھی اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اگر تمام سالانہ خریدار اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے بروقت اپنی سالانہ رقوم "ادارہ رضوان" کو بھیج دیں تو وہ بھی ہماری ان تبلیغی کوششوں میں معاون ہوں گے۔

سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ مدت خریداری ختم ہونے پر زر سالانہ کی ترسیل میں جلدی فرمائیں۔ ہر ماہ سرخ نشان کے ذریعہ ان کو اطلاع دی جاتی ہے۔ اور منی آڈر فارم بھی روانہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ یاد دہانی ہو سکے۔

یاد رکھئے! زر سالانہ کی بروقت عدم وصولی سے ادارے پر مالی بوجھ بڑھتا ہے اور پچھلے کچھ عرصے سے اس میں اضافہ ہی ہوا ہے لہٰذا سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ رضوان کی مدت خریداری ختم ہوتے ہی زر سالانہ کی ادائیگی کریں تاکہ ادارے پر مالی بوجھ نہ پڑے بصورت دیگر اگر آئندہ "رضوان" خریدنا نہیں چاہتے، تب بھی خط لکھ کر یا بذریعہ فون اس بارے میں دفتر رضوان کو مطلع فرما دیں۔ نیز اپنا خریداری نمبر یا جس نام سے رسالہ جاری ہے وہ پتہ صاف اور خوشخط ضرور لکھیں۔ آپ کا تعاون اس دینی سعی وکاوش میں ہمارے لئے نہایت اہم اور "رضوان" کے معیار میں اضافے کے ساتھ آپ کیلئے کار خیر کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

قارئین رضوان سے گزارش ہے وہ اپنا سالانہ چندہ مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں جمع کر سکتے ہیں۔

**Bombay Mercantile Co-operative Bank, Lucknow-18**

**Name of Account "RIZWAN MONTHLY", Account No. : 205110100005299**

**IFSC Code : UTIBOSBMCBI**

نوٹ: رقم ڈالنے کے بعد دفتر کو مطلع ضرور کریں ورنہ رقم آپ کے کھاتہ میں منتقل نہ ہوگی۔ اس نمبر پر مطلع کریں **Cantt. No. : 9415911511**

## بقیہ: فقہ اسلامی کی امتیازی خصوصیات

ایک تو سماج کے اندر قبول وطاعت کا جذبہ پیدا کیا جاتا ہے اور ترغیب وتحریض کے ذریعہ اصول وضوابط کا پابند بنایا جاتا ہے، دوسرے قانون سے بغاوت کرنے والوں کے خلاف طاقت وقوت کا استعمال کیا جاتا ہے، اور پولیس وعدلیہ کے ذریعہ انسان کو جرائم اور قانون شکنی سے باز رکھا جاتا ہے، لیکن فقہ اسلامی میں اس سے آگے ایک اور عقیدہ ''آخرت کے عذاب وثواب'' کا ہے، اسی لیے قرآن وحدیث اور تمام فقہی کتابوں میں ہر حکم شرعی ماننے کے ساتھ ثواب اور اس سے منھ موڑنے پر اللہ کی پکڑ کا ذکر موجود ہے، یہ ایسا انقلاب انگیز عقیدہ ہے جو طاقتور سے طاقتور انسان کو جرم سے باز رکھتا ہے اور عادی سے عادی مجرم کو قانون کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کردیتا ہے، جب کوئی آنکھ دیکھنے والی نہیں ہوتی اور کوئی زبان ٹوکنے والی نہیں ہوتی اس وقت یہ عقیدہ اس کے ہاتھوں کی ہتھکڑی اور پاؤں کی زنجیر بن جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس پرفتن اور مہیب دور میں بھی مسلم سماج شراب کی لعنت سے نسبتاً محفوظ ہے، زنا اور ہم جنس پرستی کے معاملہ میں بھی مسلم معاشرہ دوسری قوموں سے بدرجہا غنیمت ہے، یقیناً یہ ثواب و عذاب کا ہی عقیدہ ہے جو مسلم سماج کی نگرانی اور چوکسی کرتا ہے اور جرائم، بے حیائیوں اور برائیوں سے اسے باز رکھتا ہے۔

## بقیہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسوہ

انسان کے لئے بڑے امتحان کا موقع کسب معاش کے ذرائع ہیں، ان میں حلال و حرام کا امتیاز، حرص و ہوس کے اس دور میں تقویٰ کی اصل کسوٹی ہے، امام محمدؒ سے کسی نے عرض کیا کہ آپ نے مختلف موضوعات پر کتابیں لکھی ہیں، زہد وتقویٰ کے موضوع پر آپ نے قلم نہیں اُٹھایا؟ امام محمدؒ نے اپنی اس کتاب کا حوالہ دیا جس میں معاملات اور کسب معاش کے احکام ہیں اور فرمایا کہ وہی زہد وتقویٰ کی کتاب ہے، یعنی معاش کے معاملہ میں اپنے آپ کو حلال کی حدود میں قائم رکھنا اور حرام سے بچائے رکھنا ہی انسان کی دکھتی رگ ہے اور اس میں اپنے آپ کو حکم شریعت کا پابند بنالینا اصل تقویٰ ہے، حقیقت یہ ہے کہ اکثر اوقات انسان کے لئے نماز روزہ کا اہتمام آسان ہوتا ہے، آدمی حسب توفیق کچھ ذکر وتسبیح بھی کرلیتا ہے، لیکن اپنے آپ کو اس نفع سے دست کش رکھنا دشوار ہوتا ہے جس کو شریعت جائز نہ رکھتی ہو اور جس کو آج کا سودی نظام حلال کئے ہوئے ہے، یہ مواقع ہیں کہ جہاں اسوۂ ابراہیمی ایک صاحب ایمان کے سامنے آئینہ بن کر آجاتا ہے، وہ اس میں اپنے ایمان، حکم خداوندی کے سامنے تسلیم و رضا اور شریعتِ الٰہی کے سامنے سرافگندگی کی تصویر دیکھے اور خود اپنے آپ کو تولے کہ اس نے جانور کی قربانی کرکے علامتی طور پر خدا سے خودسپردگی کا جو وعدہ کیا تھا، کیا وہ زندگی کے ہر موڑ پر اس وعدہ کو وفا کررہا ہے؟

## بقیہ: حضرت جبرئیل علیہ السلام

اور جبرئیلؑ نے یہ بیٹا کس طرح دیا؟ اللہ تعالیٰ کے کلمہ ''کن'' کو مریمؑ تک پہنچاتے ہوئے جیسا کہ سورۃ النساء کی آیت نمبر (171) میں اوپر بتایا گیا اور اُس کلمہ کو پہنچانے کا طریقہ کار کیا تھا؟ ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

**(1) والتی احصنت فرجها فنفخنا فیها من روحنا.....** اور جس نے (مریمؑ نے) اپنی شرم گاہ کی حفاظت کی، پھر ہم نے اس میں (جبرئیلؑ کے واسطے سے اپنا کلمہ کن) نفخ کردیا۔ (الانبیاء:91)

**(2) و مریم ابنت عمران التی احصنت فرجها فنفخنا فیه من روحنا.....**

اور عمران کی بیٹی مریمؑ جس نے اپنی شرم گاہ کی حفاظت کی، پھر ہم نے اس میں (بواسطۂ جبرئیل اپنا کلمہ کن) نفخ کردیا۔ یعنی جبرئیلؑ نے انسانی شکل میں مریمؑ کے گریبان میں پھونک ماری اور مریمؑ حمل سے ہوگئیں، جس کا مطلب ہے کہ مریمؑ کے بیضہ میں استقرار حمل کے لئے جن (23) کروموزوم کی ضرورت تھی وہ کلمہ کن کے ذریعے پوری کی گئی اور مریمؑ کو عیسیٰؑ کا حمل ٹھہر گیا۔ یہاں تک تو تھا جبرئیلؑ کا کردار (Role) باقی مراحل حسب معمول طے ہوئے اور مدت پوری ہونے پر عیسیٰؑ کی پیدائش عمل میں آئی۔

□□

آخری صفحہ

مولانا محمد قمر الزماں ندوی
استاد مدرسہ نورالاسلام کنڈہ پرتاپگڑھ

# قبول کرلیں تو سمجھیں کہ ہم بھی مخلص ہیں

علامہ شعرانیؒ دسویں صدی ہجری کے ایک بڑے متبحر عالم و عارف گزرے ہیں ان کی شہرۂ آفاق کتاب ''تنبیہ المغترین'' ہے جس کا ترجمہ ماضی قریب کے ایک ولی کامل عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاپگڑھی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے جس کا نام ''اخلاق سلف'' ہے۔

انہوں نے (علامہ شعرانیؒ نے) بڑے عجیب انداز میں اخلاص کی علامت اور نشانی بیان فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں ''کہ جو کام تم کر رہے ہو اگر کوئی دوسرا اس کام کا کرنے والا تم سے اچھا اس بستی میں آجائے اور وہ کام ایسا ہو جو علی العین واجب نہ ہو جیسے مسجد و مدرسہ کا اہتمام یا وعظ کہنا، پیری مریدی کرنا، یا کسی نیک کام کے لیے چندہ کرنا وغیرہ تو تم کو اس کے آنے کی خوشی ہو رنج نہ ہو، بلکہ تم خود لوگوں کو اس کے پاس بھیجو کہ وہاں جاؤ، وہ مجھ سے بہتر ہیں خدا کا شکر ادا کرو کہ اس نے ایسے آدمی کو بھیج دیا جس نے تمہارا بوجھ ہلکا کر دیا۔ اگر یہ حالت ہو تب تو تم واقعی مخلص ہو۔ مگر اب تو اگر کسی عالم کی بستی میں کوئی دوسرا چلا جائے جس کی طرف عوام کا رجوع ہونے لگے تو جلتے مرتے ہیں اور دل سے چاہتے ہیں کہ اس شخص سے کوئی ایسی بات ظاہر ہو جائے جس سے عوام بدگمان ہو جائیں اور اس کو چھوڑ دیں، سمجھتے ہیں کہ بس تمام لوگوں کو ہماری طرف رجوع کرنا چاہیے، کسی اور کی طرف رخ بھی نہ کرنا چاہیے، اس حالت میں تم ہرگز مخلص نہیں ہو بلکہ اخلاص سے مفلس ہو۔''

(اصلاح العلماء والطلباء)

علامہ شعرانیؒ نے یہ بات آج سے کئی صدی پہلے فرمائی تھی اور اخلاص کا صحیح مفہوم اور معنی خیز تعریف فرمائی تھی، زمانے کے تفاوت اور بعد پر نظر ڈالئے محسوس یہ ہوتا ہے کہ یہ بات آج کے زمانے اور حالات کے تناظر اور پس منظر میں کہی جا رہی ہے۔

عوام الناس کو تو جانے دیجئے، کیا خواص اور علماء کے اندر بھی اخلاص کا یہ معیار ہے؟ ہم جیسے عام علماء جنہوں نے صرف رسمی تعلیم حاصل کر لی ہے چند کتابوں کو پڑھ کر اپنا نام عالم رکھ لیا ہے ہمارے اندر اخلاص کس قدر ہوگا یہ تو ظاہر و باہر ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس ترقی یافتہ دور میں ہر شخص شہرت و ناموری کے بام عروج پر پہنچ جانے کا خواہاں ہے، اخلاص وللّٰہیت کا دور دور تک نام و نشان نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ کام تو بہت ہو رہے ہیں لیکن نتائج صفر میں ہیں اس کی بنیادی وجہ خلوص وللّٰہیت کی کمی بلکہ فقدان ہے جگر مرادآبادی نے سچ کہا ہے۔

واعظ کا ہر ارشاد بجا تقریر بہت دلچسپ مگر
آنکھوں میں سرور عشق نہیں چہرے پہ یقیں کا نور نہیں

اور اسی مفہوم کو علامہ اقبالؒ نے یوں بیان کیا ہے۔

صفیں کج دل پریشان سجدہ بے ذوق
کہ جذب اندروں باقی نہیں ہے

اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاص کی دولت سے مالا مال کرے نام و نمود شہرت و ناموری عہدہ و منصب کی طلب و خواہش اور حرص و طمع سے محفوظ رکھے اور اخلاصِ نیت کے ساتھ کام کرنے کی توفیق دے کیوں کہ یہی عمل کی روح اور اس کی جان ہے۔

قبول کرلیں تو سمجھیں کہ ہم بھی مخلص ہیں
کئے ہیں پیش دل و جاں کے ہم نے نذرانے

☆☆☆